ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

6

www.tanzeem.org

20تا26ربیع الثانی1436ھ/10تا16فروری 2015ء

اس شمارے میں

پس چہ باید کرد؟

ہمارا اصل مستقبل: آخرت

پرانے افکار کی نمائش

شانِ رسالت میں گستاخی: ایک عظیم جرم

''اسلام اور ریاست'' ایک جوابی بیانیہ

مغربی میڈیا کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے

فحاشی: معاشرے کے لیے ناسور

صلح اور جنگ — کس سے؟

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام کی حالت دگرگوں نظر آتی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم، کفرو الحاد، خدا اور رسول سے بغاوت اور فحاشی و عیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہے۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے۔ اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق، مروّت کا سارا زور کفرو الحاد اور ظلم کی حمایت میں صَرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء و جوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطۂ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صَرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ع ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو۔ سیاستِ ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآنِ حکیم نے جہاں عفوو درگزر، حلم و بردباری کی تلقین کی تھی، وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ فالی اللّٰہ المشتکیٰ و انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون

وحدتِ اُمّت

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

ناشکری کا انجام: ایک مثال

سورۃ النحل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات 112 تا 114

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرۡیَۃً کَانَتۡ اٰمِنَۃً مُّطۡمَئِنَّۃً یَّاۡتِیۡہَا رِزۡقُہَا رَغَدًا مِّنۡ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡہُمۡ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَخَذَہُمُ الۡعَذَابُ وَہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝ فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ۝

آیت ۱۱۲ ﴿وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرۡیَۃً کَانَتۡ اٰمِنَۃً مُّطۡمَئِنَّۃً یَّاۡتِیۡہَا رِزۡقُہَا رَغَدًا مِّنۡ کُلِّ مَکَانٍ﴾ ''اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن و اطمینان کی حالت میں تھی' آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے''

﴿فَکَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''تو اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی' تو اسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباس بھوک اور خوف کا' اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔''

اس تمثیل کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ ایک عام تمثیل ہے اور کسی خاص بستی سے متعلق نہیں۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قومِ سبا کی مثال ہے جس کے بارے میں تفصیل آگے چل کر سورۂ سبا میں آئے گی۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اس مثال کے آئینے میں مکہ اور اہل مکہ کا ذکر ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے امن وسکون کا گہوارہ چلا آرہا تھا اور یہاں اہل مکہ کی تجارتی سرگرمیوں اور حج وعمرہ کے اجتماعات کے باعث خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی۔ دنیا بھر سے انواع واقسام کا رزق فراوانی سے ان کے پاس چلا آتا تھا' مگر حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپؐ کی دعوت کا انکار کرنے کی پاداش میں اس شہر کے باشندوں پر قحط کا عذاب مسلط کر دیا گیا تھا۔ مکہ میں یہ قحط اسی قانونِ خداوندی کے تحت آیا تھا جس کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت ۴۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۹۴ میں ہوا ہے۔ اس اصول یا قانون کے تحت ہر رسولؑ کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں تاکہ انہیں خوابِ غفلت سے جاگنے اور سنبھلنے کا موقع مل جائے اور وہ رسول پر ایمان لا کر بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

تاویل خاص کے اعتبار سے اس مثال میں یقیناً مکہ ہی کی طرف اشارہ ہے مگر اس کی عمومی حیثیت بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ کوئی بستی بھی اس قانونِ خداوندی کی زد میں آسکتی ہے۔ جیسے پاکستان کے عروس البلاد کراچی کے حالات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب کراچی میں امن و امان' وسائلِ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کی کیفیت ملک بھر کے لوگوں کے لیے باعثِ کشش تھی' مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر وہی نقشہ پیش کرنے لگا جس کی جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔ یعنی کفرانِ نعمت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَقَدۡ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡہُمۡ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَخَذَہُمُ الۡعَذَابُ وَہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور آیا ان کے پاس ایک رسول انہی میں سے تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پس آ پکڑا انہیں عذاب نے اور وہ خود ہی ظالم تھے۔''

آیت ۱۱۴ ﴿فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪﴾ ''پس (اے اہل ایمان) تم کھایا کرو اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں''

﴿وَّاشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم واقعتاً اُسی کی بندگی کرتے ہو۔''

نوٹ کیجیے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر مختلف انداز میں اس سورت میں بار بار آرہا ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

20 تا 26 ربیع الثانی 1436ھ — جلد 24
10 تا 16 فروری 2015ء — شمارہ 06

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-36293939
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پس چہ باید کرد؟

اُمت مسلمہ کی واضح اکثریت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہو چکا ہے کہ امریکی پادری ٹیری جونز کا قرآن پاک کو جلانا' ڈنمارک اور فرانس میں آپؐ کے خاکے شائع کر کے اللہ کے رسول ﷺ کی توہین کرنے کی ناپاک جسارت کرنا' کچھ افراد یا کچھ اداروں کی ذہنی تخلیق نہیں تھی بلکہ عیسائی دنیا کی اسلام کے خلاف شروع کردہ جنگ کا باقاعدہ ایک حصہ ہے اور یہود ونصاریٰ اس حوالہ سے یک جان دو قالب ہو چکے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ سب کچھ عالمی سطح پر گریٹ گیم کا حصہ ہے۔ امریکہ کا سابق صدر جونیئر بش بھی اس گیم کا ایک پرزہ تھا جس کے منہ سے سچ نکل گیا تھا جب اس نے نائن الیون کے بعد ''کروسیڈ'' کا لفظ منہ سے نکالا۔ پھر یہ کہ نیو ورلڈ آرڈر کی اصطلاح کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بظاہر خوبصورت اصطلاح لگتی ہے لیکن مطلب واضح ہے کہ اب دنیا میں وہ ہوگا جو ہم چاہیں گے۔ اس دنیا میں ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب چونکہ وہ دور نہیں رہا کہ کوئی طاقتور ملک فوج لے کر نکلے اور ملک پر ملک فتح کرتا چلا جائے۔ اس لیے کہ کسی طاقتور ملک کا کمزور ملک کو فتح کرنا تو آسان ہے، لیکن اُس پر قبضہ برقرار رکھنا نہ تو سیاسی طور پر ممکن ہے اور نہ اقتصادی طور پر قابل عمل ہی ہے۔ سرخ سامراج اس کوشش میں پہلے ہی قدم پر افغانستان میں دم توڑ گیا تھا، البتہ سفید سامراج بہت عیار اور مکار ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کا بھرکس نکال دیا تھا۔ انگریز نے مصلحت بینی سے کام لیتے ہوئے اپنی سرحدوں میں سمٹ جانے میں عافیت سمجھی اور برادر عیسائی ملک امریکہ' جو ایک نئی طاقت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا' اس کا دامن تھام لیا۔

امریکہ نے سپر پاور کی حیثیت سے دوٹریکس پر اپنی حکمت عملی کا آغاز کیا۔ اس کی عالم اسلام کے حوالہ سے ترجیحی پالیسی یہ تھی کہ حکمران تو مقامی لوگ ہی ہوں لیکن وہ امریکی ڈکٹیشن کو قبول کرتے ہوئے امریکی ایجنڈے کی تکمیل میں مکمل تعاون کریں اور اس حوالہ سے چوں وچراں قطعی طور پر قابل قبول نہیں۔ مسلمان ممالک میں امریکہ نے فوجی ڈکٹیٹروں کی سرپرستی کی یا پھر سول حکومت اور فوج میں الگ الگ اپنی منشا کے مطابق کٹھ پتلی قیادتوں کو اپنے اشاروں پر نچاتا رہا۔ البتہ جس کسی ملک میں اسے مدافعت کا سامنا کرنا پڑا وہاں حملہ آور ہو کر یعنی اپنی فوج بھیج کر اپنے راستے میں حائل ہونے والے حکمرانوں کو ہٹا کر غلامی قبول کرنے والے مقامی لوگوں کو حکمران بنایا۔ اس کی مثال افغانستان اور عراق ہے لیکن وہاں نتائج توقع کے مطابق نہیں نکلے۔ فوجیں بھیجنے کا فیصلہ مہنگا بھی پڑا اور جانی نقصان بھی بہت بڑی سطح پر ہوا۔ خاص طور پر افغانستان میں غیر متوقع شکست نے اس کے خواب پریشان کر دیے۔ البتہ مقامی مسلمان حکمرانوں کے ذریعے اپنی مرضی اور پالیسی مسلط کرنے کی سٹریٹیجی اس کی توقع سے بھی زیادہ کامیاب رہی، جس کی واضح مثال وطن عزیز مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان بھی ہے۔ پھر یہ کہ مشرق وسطیٰ کے چھوٹے بڑے سب اسلامی ممالک کے حکمران اپنے عوام سے امریکی احکامات کی تعمیل بھی جبراً کرواتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ کسی ایک بھی اسلامی ملک میں عوام اس صورت حال سے مطمئن نہیں ہو سکتے اور ان میں سخت

اضطراب پایا جاتا ہے۔ فی الحال صرف پاکستان کے حوالہ سے دیکھیں تو صورت حال کچھ یوں نظر آتی ہے کہ ایک طرف امریکہ اور اس کے حلیف کٹھ پتلی مسلمان حکمران ہیں اور ایک طرف عوام ہیں جو مختلف دھڑوں میں منقسم ہیں۔ ایک دھڑا مذہبی جماعتوں کا ہے جو امریکہ کو تمام برائیوں اور خرافات کا منبع سمجھتا ہے۔ یہ دھڑا امریکہ اور اپنے حکمرانوں پر سخت تنقید کرتا ہے۔ یہ دھڑا اچھی خاصی سٹریٹ پاور رکھتا ہے، لیکن انتخابی کشمکش میں الجھ کر اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے یا بہت کم کر چکا ہے۔ دوسرا بہت بڑا دھڑا خاموش اکثریتی عوام کا ہے، جو اگرچہ گہرے مذہبی جذبات رکھتا ہے خصوصاً اپنے عقائد اور مقدس ہستیوں کے حوالہ سے بہت حساس ہے، امریکہ اور اپنے حکمرانوں کے حوالے سے شدید منفی جذبات بھی رکھتا ہے، لیکن دو وقت کی روٹی کی فکر اُسے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں دیتی۔ علاوہ ازیں یہ لوگ مذہبی جماعتوں کے کردار و افعال سے بھی مطمئن نہیں، لہٰذا مذہبی جذبات رکھنے کے باوجود عملی طور پر یہ دھڑا متحرک نہیں ہے۔ تیسرا دھڑا سیکولر دانشوروں کا ہے جو ہر معاملے کو دنیوی فوائد کے حوالہ سے دیکھتا ہے۔ مادہ پرستی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ سیکولرازم کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ اپنا وزن ہمیشہ خلاف اسلام پلڑے میں ڈالتا ہے۔ کمیونسٹ سوویت یونین اگر افغانستان پر حملہ کرے تو وہ کمیونسٹ روسیوں کا ساتھ دے گا۔ امریکہ حملے کرے تو افغانیوں کے خلاف سرمایہ دارانہ نظام کے رکھوالوں کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا۔ ایک اور چھوٹے سے دھڑے نے سب سے مایوس ہو کر امریکہ اور اپنے حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھالیے ہیں۔ امریکہ اور یورپ نے عیاری اور مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے کہ ظاہری طور پر اِس گروپ کے خلاف، لیکن حقیقت میں اسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کر رکھا ہے اور اسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا ہے۔ اس جنگ کی صف بندی کچھ یوں ہوئی ہے کہ امریکہ کی سرپرستی اور نگرانی میں مسلمان حکمران اپنے ملک میں ہتھیار اٹھانے والوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سیکولر عناصر کھل کر امریکی جنگ زبان اور قلم سے لڑ رہے ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتیں امریکہ اور اپنے حکمرانوں کی سخت ناقد ہیں، لیکن وہ اپنے ملک میں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو بھی سراسر غلط قرار دیتی ہیں۔ گویا امریکہ بلکہ صحیح تر الفاظ میں یہود و نصاریٰ اپنے مدمقابل مسلمانوں میں زبردست اختلاف' شدید الجھاؤ اور کنفیوژن پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

عجب بات یہ ہے کہ صرف نصف صدی یا پون صدی پہلے باہم دو عظیم جنگیں لڑنے والے یورپ کے عیسائی متحد ہو کر یورپی یونین بنا چکے ہیں اور امریکہ ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے ان کے سرپرست کا رول ادا کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے اس انتہائی طاقتور اتحاد کا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اشتعال دلا کر میدان میں کھینچ کر لایا جائے اور منتشر و منقسم عالم اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے یا اپنی طاقت کے بل بوتے پر اسے اس سطح پر لایا جائے کہ وہ مکمل طور پر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی کو قبول کر لیں۔ المیہ یہ ہے کہ یورپ' امریکہ' اسرائیل سیاسی بیان بازی جو چاہے کریں لیکن حکومتوں کی سرپرستی میں قرآن پاک کی بے حرمتی اور دنیا کی مقدس ترین ہستی نبی اکرم ﷺ کے خاکے ان کے تیار کردہ منصوبے کے تحت بنائے جاتے ہیں اور وہ یہ گھناؤنا فعل متفق اور متحد ہو کر اپنے اداروں اور دانشوروں سے کروا رہے ہیں، لیکن ردِعمل میں مسلمانوں کا طرزِ عمل منقسم اور مختلف ہے۔ ہتھیار بند گروہ موقع ملنے پر ایسے افراد یا اداروں پر حملہ آور ہو جاتا ہے' مذہبی سیاسی جماعتیں جلسے جلوس اور تقاریر سے اپنا غبار نکال لیتی ہیں۔ جلسے جلوس تو یہود و نصاریٰ کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالتے' اسلحہ کی بنیاد پر کی گئی کارروائی کو عذر بنا کر وہ مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیتے ہیں۔ مسلمان حکمران چونکہ کرسی سے چمٹے رہنے کے لیے دین و ایمان بھی داؤ لگانے پر تیار ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے آقاؤں کی زبان بولنا شروع ہو جاتے ہیں اور رسمی انداز میں ایک آدھ بیان دے کر اپنے عوام کے سامنے بھی سچے ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ توہین مسلمانوں کی مقدس ہستی اور مقدس کتاب کی ہوتی ہے لیکن نتیجہ کے طور پر نقصان بھی مسلمانوں ہی کا ہوتا ہے۔ پس چہ باید کرد یعنی کیا کیا جانا چاہیے۔ اس المیہ سے کیسے نکلا جائے، کیونکہ یہود و نصاریٰ اسلام کے خلاف متحد ہو چکے ہیں۔ عالم اسلام ان کی ٹھوکروں کی زد میں ہے۔ کیا کیا جائے کہ مسلمان دنیا میں وقار اور تکریم کے حامل ہو جائیں اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ ہماری رائے میں اس حالت میں ہتھیار اٹھا کر دشمن پر پل پڑنا جبکہ طاقت کا زبردست عدم توازن ہے یقیناً قبل از وقت ہے۔ جلسے جلوس کے انعقاد سے جذبات کا اظہار تو ہو جائے گا اور لوگ بھڑاس بھی نکال لیتے ہیں لیکن عملی طور پر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہم مستقبل میں چارلی ہیڈو جیسے چیتھڑے کو آپؐ کی توہین ہی سے روک سکیں گے۔ ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم اگر ماضی میں مضبوط و توانا تھے تو کیوں تھے اور اگر آج کمزور و ناتواں ہیں تو کیوں ہیں؟ تاریخ کا جائزہ لیں، دنیا میں کوئی قوم اتنا طویل عرصہ تک سپریم پاور آف دی ارتھ نہیں رہی جتنا طویل عرصہ امت مسلمہ رہی ہے۔ وجہ جاننا ہوگی کہ ایسا کیوں تھا اور پھر اس کے لیے وہی کچھ کرنا ہوگا جو ہمارے آباء کرتے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جس کتاب اللہ کی اعدائے اسلام بے حرمتی کرتے ہیں مسلمان اسی کتاب کو اپنا امام بنائیں' اس کے احکامات کو بجالائیں اور وہ جس عظیم المرتبت آخری رسولؐ کی توہین واہانت کرنے کی ناپاک جسارت کر رہے ہیں، (باقی صفحہ 10 پر)

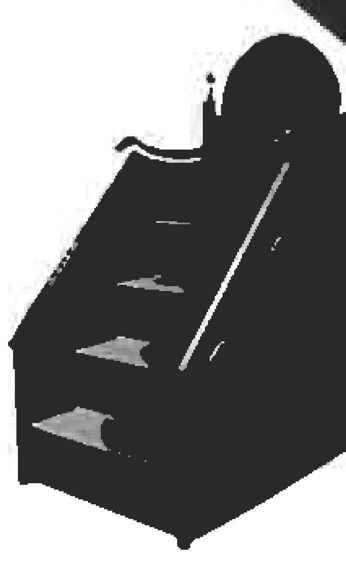

ہمارا اصل مستقبل: آخرت

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 30 جنوری 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

مرتب: حافظ محمد زاہد

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد!

حضرات! مطالعہ قرآن حکیم کے ضمن میں سورۃ التغابن کی آیات 6 تا 10 کا مطالعہ جاری ہے۔ ان آیات میں ایمان بالآخرۃ کا موضوع بیان ہوا ہے۔ ہم اپنے دنیوی عیش و آرام کی وجہ سے اس موضوع پر گفتگو کرنا اور سننا پسند نہیں کرتے۔ اپنے عزیز و اقارب کا جنازہ پڑھتے وقت نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے دل میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ ایک دن ہمیں بھی اس دنیائے فانی سے جانا ہے' لیکن اس خیال کو جلد از جلد ہم اپنے ذہن سے جھٹک کر دوبارہ سے دنیا کی دلچسپیوں کے اندر گم ہو جاتے ہیں۔ اصل میں شیطانی قوتوں کی یہ شعوری کوشش ہے کہ وہ انسان کو دنیوی زندگی کی رنگینیوں میں اُلجھائے رکھے، تاکہ اسے آنے والی ابدی زندگی کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہ ملے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو مختلف الفاظ اور پیرائے میں بیان کیا گیا ہے' مثلاً سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (64) ﴾ ''اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں۔ اور آخرت کا گھر ہی یقیناً اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!'' اسی طرح سورۃ الرعد میں فرمایا: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (26) ﴾ ''اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے۔''

دنیوی اور اُخروی زندگی کے موازنہ کے ضمن میں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ ان دونوں جہانوں کے درمیان فرق مقدار (quantity) کا بھی ہے اور معیار (quality) کا بھی۔ یعنی یہ دنیا کی زندگی محدود اور غیر یقینی ہے' جبکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی لامحدود' ابدی اور یقینی ہے۔ اسی طرح دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں معیار اور کوالٹی کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہیں اور ناکامی کی صورت میں آخرت کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کے تصور سے بھی انسان کانپنے لگتا ہے۔ یہ ہیں اصل حقائق جن سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہم نے دنیوی زندگی کو اپنی پہلی ترجیح بنایا ہوا ہے اور اپنی ساری صلاحیتیں اسی کو بہتر بنانے کے لیے صرف کر رہے ہیں' جبکہ اس کے بعد آنے والی قبر کی زندگی اور پھر آخرت کی دائمی زندگی کے لیے ہم تھوڑی سی بھی تیاری نہیں کر رہے' حتیٰ کہ اس کے بارے میں گفتگو کرنا اور سننا بھی پسند نہیں کرتے۔

یاد رکھیے! دنیوی زندگی میں تو ہمارے پاس انتخاب کی آزادی ہے۔ لیکن حیات دنیا کے بعد ہمارے پاس کوئی آپشن اور اختیار نہیں ہوگا۔ ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی قبروں سے اٹھا کر میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا اور پھر حساب کتاب اور عالم آخرت کی باقی سختیوں سے گزار کر اپنے آخری انجام سے دوچار کیا جائے گا۔ اس انجام کے بارے میں قرآن نے برملا اعلان کر دیا ہے: ﴿ وَالْعَصْرِ (1) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (2) ﴾ ''قسم ہے زمانے کی، بے شک انسان تو بہت ہی خسارے میں ہے!'' زمانے (یعنی وقت) کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ یہ وقت ہی ہے جس نے انسان کی پیدائش کو بھی دیکھا تھا، اور یہی وقت ہے جو انسان کے انجام پر بھی گواہ ہے کہ پوری نوع انسانی کا مقدر بہت بڑی ناکامی اور خسارہ ہے۔ اس ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان آنے والی ابدی زندگی اور اس کے حقائق کو پہچانتا ہی نہیں اور اگر اُسے اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور توجہ نہیں کرتا۔

قرآن مجید نے تو آخرت کو ''نبأ عظیم'' (سب سے بڑی اور اہم ترین خبر) قرار دیا ہے اور اسی سے انسان کا مستقبل وابستہ ہے۔ چنانچہ انسان کے عمل اور رویے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا ایمان، ایمان بالآخرت ہی ہے۔ اگر کسی نے رسالت اور آخرت کے بغیر اللہ کو مانا تو اِس سے اُس کے رویہ اور عملی زندگی میں دوسروں کے مقابلے میں کوئی بہت بڑا فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ ہر کام میں اپنی من مانیاں ہی کرے گا۔ عمل میں نمایاں فرق رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کے بعد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات میں نبوت و رسالت کامل فرما دی ہے۔ اس دوران میں ایک لاکھ سے زائد نبی اور تین سو سے زائد رسول آئے اور ان سب نے آخرت کی خبر دی۔ یہ بتایا کہ یہ زندگی کل زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک ابدی زندگی ہے جس میں انسان کا محاسبہ ہوگا، اور پھر اسے یا تو نعمتوں والی جنت ملے گی یا دل دہلا دینے والی جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ چنانچہ جب آخرت کی بات آتی ہے تو انسان سوچتا ہے کہ اگر میں نے اپنی نفسانی خواہشات کے تحت زندگی گزاری اور اللہ کی دی ہوئی ہدایات پر عمل نہیں کیا تو پھر میری ابدی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ احکام الٰہی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی مغربی دنیا یعنی امریکہ اور یورپ کہنے کو ایک آسمانی مذہب ''عیسائیت'' کے ماننے والے ہیں' لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ملحد ہیں۔ یہ

سرے سے اللہ اور اُس کے دین کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان کے اجتماعی معاملات میں کسی بھی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ خاص طور پر اجتماعی نظام کی تشکیل میں تو وہ بائبل کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ جیسے سیکولرازم میں انہوں نے مذہب کو ریاستی معاملات سے الگ کر دیا۔ یہ لوگ اگرچہ اللہ کو' رسالت کو اور آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے لیکن دنیوی ترقی اور ٹیکنالوجی کے معاملے میں بہت آگے نظر آتے ہیں۔ اس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ترقی ان کو مل رہی ہے جو اللہ کو اور آسمانی کتابوں کو مانتے ہی نہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آسمانی ہدایت اور ایمانی شاہراہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں آخرت کے حوالے سے ایک خاص تصور کا ذکر ملتا ہے کہ خوشحال اور سرمایہ دار لوگ کہتے ہیں کہ ویسے تو آخرت کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے اور اگر بفرضِ محال آخرت وقوع پذیر ہو بھی گئی تو وہاں ہمارے لیے دنیا سے بھی زیادہ بہتری کا سامان ہوگا۔ سورۃ الکہف اور سورہ حٰم السجدہ میں اس تصور کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو دوستوں کا قصہ نقل ہوا ہے جن میں سے ایک مفلوک الحال اور فقیر ہے' جبکہ دوسرا باغات کا مالک اور دولت مند ہے۔ فقیر اور درویش دوست اپنے سرمایہ دار دوست کو سمجھاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو اور آخرت کا بھی کچھ خیال رکھو۔ وہ اس نصیحت کے جواب میں کہتا ہے: ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (36)﴾ (الکہف) ''میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹا ہی دیا گیا تو میں لازماً اس سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا''۔ پھر یہی مضمون سورہ حٰم السجدہ کے آخری رکوع میں ذرا تفصیل سے آیا ہے' فرمایا: ﴿لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ز وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ o وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ لا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی﴾ (آیات 49'50) ''انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر کہیں اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بالکل مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیں اس کے بعد کہ اسے کوئی تکلیف پہنچی تھی تو وہ ضرور کہے گا کہ ہاں یہ تو میرا حق ہے' اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ قیامت کوئی قائم ہونے والی شے ہے۔ اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا میرے رب کی طرف' یقیناً میرے لیے اُس کے پاس بہتری ہی ہو گی''۔ اصل میں یہ تصور منکرین کی اپنی منطق اور صغریٰ کبریٰ ملانے کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے اس دنیا میں مجھ پر بہت سے انعامات کیے ہیں تو وہ آخرت میں بھی مجھے انعامات سے ہی نوازے گا' جبکہ تمہارے اندر وہ صلاحیتیں نہیں تھیں لٰہذا تم یہاں بھی محروم تھے تو وہاں بھی محروم ہی رہو گے۔

پریس ریلیز 31 جنوری 2015ء

شکار پور میں نمازِ جمعہ کے دوران امام بارگاہ میں نمازیوں کا قتل عام انتہائی بزدلانہ اور وحشیانہ فعل ہے

حافظ عاکف سعید

شکار پور میں نماز جمعہ کے دوران امام بارگاہ میں نمازیوں کا قتل عام انتہائی بزدلانہ اور وحشیانہ فعل ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ انھوں نے کہا کہ ایک عرصہ سے کچھ درندہ صفت عناصر کبھی مساجد میں اور کبھی امام بارگاہ میں دہشت گردی کی واردات کا ارتکاب کر کے مذہبی منافرت پھیلانا چاہتے ہیں، تاکہ وطن عزیز فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ جائے۔ انہوں نے کہا کہ عراق میں CIA اور موساد ایسی کارروائیاں کر کے اہل سنت اور اہل تشیع میں فسادات بھڑکا چکی ہیں۔ پاکستان میں بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' کا ایسی وحشیانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کی اطلاعات پہلے ہی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ افغانستان میں بھارت کے قونصل خانے باغی عناصر کو دہشت گردی کی تربیت دیتے ہیں، اور وہ پاکستان میں آگ اور خون کا کھیل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری خفیہ ایجنسیوں کو اس حوالے سے متحرک ہونا چاہیے، اور کالعدم تنظیم اور این جی اوز پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انسانیت کے ان دشمنوں کو جلد از جلد گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے۔

پریس ریلیز 6 فروری 2015ء

تنظیم اسلامی کے پرامن مظاہرے کے بارے میں CNN نے جھوٹا اور بے بنیاد مواد شائع کر کے صحافتی بددیانتی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے

تنظیم اسلامی کے کسی ایک احتجاجی جلسے یا اجتماع میں کبھی کسی غیر قانونی یا غیر اخلاقی حرکت کا ارتکاب نہیں کیا گیا

تنظیم اسلامی کے پرامن مظاہرے کے بارے میں CNN نے جھوٹا اور بے بنیاد مواد شائع کر کے صحافتی بددیانتی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطبۂ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی جس کا قیام 1975ء میں عمل میں آیا تھا اسلامی شعائر کی بے حرمتی اور منکرات کے خلاف سینکڑوں مظاہروں اور جلسوں کا انعقاد کر چکی ہے، لیکن کسی ایک احتجاجی جلسے جلوس یا کسی نوعیت کے اجتماع میں کبھی کسی غیر قانونی یا غیر اخلاقی حرکات کا ارتکاب نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ دنوں تنظیم اسلامی کراچی کے رفقاء نے مغربی پریس میں نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے کے خلاف انتہائی پرامن مظاہرہ کیا، جس کی CNN نے تصاویر شائع کیں اور انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مظاہرین کی تصاویر کے نیچے یہ کیپشن لگا دیا کہ مظاہرین نے اشتعال انگیزی کی، چرچ اور بائبل کو نذر آتش کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی ملک کا پرچم، عبادت گاہ یا کسی آسمانی کتاب کو نذر آتش کرنا تو دور کی بات ہے، تنظیم اسلامی کے مظاہرین تو ٹریفک کی روانی میں تعطل کا باعث بھی نہیں بنتے۔ انہوں نے کہا کہ مغرب نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ میڈیا کے ذریعے افترا پردازی کرتا ہے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مغربی میڈیا جھوٹ اور افسانے تراشنے کے حوالے سے جرمنی کے گوئبلز کو بھی مات دے چکا ہے۔ انہوں نے حاضرین کو CNN میں شائع ہونے والی تصاویر اور اُن کے نیچے لگا ہوا کیپشن دکھایا، جس پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

آخرت کے حوالے سے یہ تصور آج پوری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اور تو اور، مسلمان بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ آج مسلمانوں کی اکثریت زبان سے آخرت کا اقرار کرنے کے باوجود حقیقی اور عملی اعتبار سے آخرت کا انکار کر رہی ہے۔ آج ہمارے لیے دنیا کا ہی مستقبل سب سے اہم بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بھی وہی کچھ پڑھا رہے ہیں جن سے ان کا دنیا کا مستقبل بن جائے۔ چنانچہ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتے، جبکہ آخرت کو ماننے کا لازمی نتیجہ اپنے نفس کے گھوڑے کو لگام دینا ہے۔ سورۃ القیامہ میں بتایا گیا کہ انسان آخرت کا انکار اس لیے کرتا ہے کہ اس کی عیاشیوں میں خلل واقع ہوتا ہے: ﴿بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ (5)﴾ ''مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے کو خودسری کرتا جائے''۔ لہٰذا آج مسلمانوں کی عظیم اکثریت عملاً آخرت کا انکار کرنے والوں کی صف میں کھڑی ہے۔

اس تناظر میں قرآن کے تصورِ آخرت کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ دنیا کل کا کل امتحان ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾ (الملک:2) ''اُس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے اعمال کرتا ہے''۔ اللہ نے ہر شخص کی گھڑیاں مقرر کر رکھی ہیں جو اسے اس دنیا میں پوری کرنی ہیں، لیکن یہ ساری کی ساری دنیوی زندگی امتحانی وقفہ ہے۔ پرچہ تمہیں یہاں دنیا میں دینا ہے، لیکن اس کا نتیجہ وہاں آخرت میں جا کر نکلے گا۔ بلوغت کی عمر سے انسان مکلف ہو جاتا ہے اور پھر اس کی ہر چیز اور تمام افعال واعمال کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ اُس ریکارڈ میں سے کوئی چیز مس نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب مجرم لوگوں کے سامنے اُن کا اعمال نامہ آئے گا تو وہ چلا اُٹھیں گے کہ: ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط﴾ (الکہف:49) ''یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو، مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ اور جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا وہ اُسے اس میں موجود پائیں گے''۔ جبکہ سورۃ الزلزال میں بتایا گیا کہ جس نے ذرّہ برابر بھی کوئی نیکی یا برائی کی ہوگی تو وہ اسے اپنے اعمال نامہ میں دیکھ لے گا۔

قرآن کے تصورِ آخرت کے حوالے سے دوسری بات اہم یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو جو کچھ دیا جا رہا ہے، وہ بطور امتحان اور آزمائش کے دیا جا رہا ہے۔ کسی کو زیادہ ملا یا کسی کو کم ملا، کسی کو دے کر اللہ نے چھین لیا یا کسی کو فقیر کی کٹیا میں پیدا کر کے پھر چھپر پھاڑ کر دے دیا۔ یہ سب امتحان کی مختلف شکلیں ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک یہ امتحان ہوتا رہے گا۔ اس امتحان میں ہمارے لیے جو مشکلات ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت اور اس کی رنگینیاں ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہیں، جبکہ دوسری طرف شیطان ہمیں ورغلاتا ہے اور ہمیں پٹڑی سے اتارنے کے لیے اس کے پاس سو حربے ہیں۔ اگر ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے تو شیطان ہمیں پٹڑی سے اتارنے کے لیے ضرور میدان میں آئے گا اس لیے کہ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (5)﴾ (یوسف) ''(جان لو کہ) یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔ لہٰذا اس کو اپنا دشمن ہی سمجھو ورنہ وہ تمہاری آخرت برباد کر کے چھوڑے گا۔ آج دنیا میں شیطان کی فتح کا دور ہے اور پوری دنیا پر شیطانی تہذیب مسلط ہے جس میں مسلم دنیا کی اکثریت بھی شامل ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں جس شخص کو زیادہ ملا ہے، اس کا امتحان دو اعتبار سے سخت ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے ہر چیز کا حساب لیا جائے گا۔ خاص طور پر مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ آج جو قوتیں پوری دنیا پر قابض ہوگئی ہیں وہ بھی آپ کا پورا ریکارڈ رکھنا چاہتی ہیں کہ کہاں سے آپ کما رہے ہیں اور کہاں کہاں خرچ کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے خدا، ہمارے مالک اور ہمارے خالق نہیں ہیں کہ ہم انہیں حساب دیتے پھریں، لیکن ہمارا خالق، مالک اور رازق ہم سے حساب مانگ سکتا ہے اور ہم اسے حساب دینے کے پابند ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ جس کو زیادہ ملا ہے اس کے پٹڑی سے اتر جانے کا زیادہ امکان ہے اس لیے کہ عیاشی اور اللوں تللوں کے لیے اس کے پاس زیادہ مواقع ہیں۔ اگر ہم دنیوی اعتبار سے دیکھیں تو دنیا میں ارب پتی اور بلین ایئر کلب کے ممبر سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں اور ہم ان سے بہت پیچھے ہیں، لیکن جب آخرت سامنے ہو تو صورتِ حال بدل جائے گی بایں طور کہ جس کو زیادہ ملا وہ زیادہ قابلِ رحم ہے اور جس کو کم ملا وہ عافیت اور بہتر پوزیشن میں ہے۔

قرآن کے بیان کردہ تصورِ آخرت کے لازمی نتائج بھی ہیں اور وہ یہ کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہمیں اپنے اصل مستقبل کو بچانے اور عالمِ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ یہ لمحات ہمیں دوبارہ نہیں ملیں گے۔ جب ایک مرتبہ فائنل کال آ گئی تو اس کے بعد مہلت ختم ہوگئی۔ اب اگر سب کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں گے تو یہ قبول نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہاں رہتے ہوئے ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس عظیم نقصان اور ابدی ناکامی سے بچنے کی کوشش کریں جس کا ذکر سورۃ العصر میں ہوا ہے۔ یہی بات قرآن نے ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:6) ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''۔ اس آیت میں خطاب کفار یا منافقین سے نہیں، بلکہ ایمان والوں سے ہے۔ یعنی قرآن مجھ سے اور آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: سن لو! یہ سارے مواقع بس اسی زندگی میں ہیں جس سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں اور ہم سے پہلے اربوں انسان اس سے گزر کر اگلے مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ وقت آنے کی بات ہے، آخر کار ہم سب کو بھی دوسرے مرحلے میں داخل ہونا ہے اور وہ مرحلہ قبر کا ہے۔ پھر اس کے بعد آخری مرحلہ عالمِ آخرت کا ہے جس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے اور یا پھر جہنم۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس دنیوی زندگی کو صحیح معنوں میں امتحان گاہ سمجھتے ہوئے آخرت کی تیاری میں گزاریں اور نیکیوں میں آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر نیکیوں میں مقابلے کا جذبہ بھی رکھا ہے، فرمایا: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الحدید:21) ''ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت کے لیے اور اس جنت کے حصول کے لیے جس کا طول و عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے''۔ یہ جذبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اپنے انتہا پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خیر اور نیکیاں کمانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے کہ مسجد نبویؐ میں صفہ کے چبوترے میں پڑے رہنے والے درویش صحابہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! دولت مند لوگ تو اپنے زائد مال میں سے صدقہ کر کے نیکیوں میں ہم پر بازی لے گئے اور ہم نیکیوں میں پیچھے رہ گئے۔ دیکھئے انہیں دنیا کی کوئی پریشانی نہیں تھی، اس لیے انہوں نے یہ شکوہ وشکایت نہیں کی کہ لوگوں کے پاس مال و دولت زیادہ ہے، بلکہ انہیں تو اصل پریشانی نیکیوں میں پیچھے رہ جانے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ جذبہ عطا فرمائے۔ آمین! الغرض، آخرت اور اُخروی زندگی کے متعلق یہ اصل حقائق ہیں جو قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ اللہ کرے کہ ہم ان کے مطابق عمل کرنے والے اور اس کو آگے پھیلانے والے بن جائیں۔ آمین یا رب العالمین!

☆☆☆☆☆

......پرانے افکار کی نمائش

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

ملک میں جا بجا نفرت انگیز لٹریچر کے خلاف مہم زوروں پر ہے۔ پبلشر، کتاب گھروں کے مالک گرفتار کیے جا رہے ہیں۔ جب متجسس ہو کر نفرت انگیز کتب کے نام پڑھنا چاہے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ دو کتب سیدنا عمر فاروق و خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے متعلق تھیں اور تیسری غنیۃ الطالبین تھی! کس کے لیے نفرت انگیز......؟ (اقلیتوں کو چھوڑ کر) صحابہ کرامؓ سے نسبت جوڑنے والے، بچوں کے نام ان کے نام پر رکھنے والی 90فیصد آبادی کو آپ کیا باور کر رہے ہیں؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ......؟ مرادِ رسول ﷺ......! گورے نے جب دنیا پر اثر انگیزی کے اعتبار سے 100 بڑے ناموں کی فہرست مرتب کی تو یہ اس کی بھی مجبوری تھی کہ پہلے نمبر پر حضرت محمد ﷺ کو رکھے (تاریخ ساز ہستی ﷺ!) اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس فہرست میں شامل کرے۔ اسے بھی (مائیکل ہارٹ: مصنف) یہ نام نفرت انگیز نہ لگا! خالد بن ولید رضی اللہ عنہ......؟ وہ عبقری سپہ سالار، جرنیل جسے لسانِ نبوت ﷺ نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب دیا۔ 1400 سال سے ماؤں نے بچوں کے نام خالد رکھ رکھ کر شجاعت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ معرکۂ اجنادین میں بے مثل فتح کے بعد معرکۂ یرموک میں جب رومی اپنے کبر و غرور کے ساتھ کالی بدلیوں کی طرح اُمڈ پڑے، میدان و صحرا میں چھا گئے۔ قتال سے پہلے رومی فوج کا بڑا جرنیل جرجہ نکلا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ آپ سے ایک سوال کرنا چاہا اس وعدے پر کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حقیقت چھپائیں گے نہیں، سچ سچ بتا دیں گے۔ اور وہ سوال یہ تھا کہ کیا اللہ نے تمہارے نبی ﷺ پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری تھی جسے انہوں نے تمہیں عطا کیا ہے کہ جس پر بھی تم اسے کھینچتے ہو اسے شکست دے دیتے ہو......؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ جرجہ بولا: تو پھر آپ کا نام سیف اللہ کیوں پڑا؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سادگی سے وجہ بیان کر دی۔ (رعب جمانے کا موقع غنیمت نہ جانا!) کہ نبی ﷺ نے مجھ سے کہا: تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو جسے اللہ نے مشرکین پر کھینچا ہے۔ اور آپ ﷺ نے میرے لیے فتح و نصرت کی دعا کی اور اسی وجہ سے میرا نام سیف اللہ پڑ گیا۔ میں مشرکین پر مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت ہوں۔ پھر جرجہ کے ساتھ گفتگو میں خوبصورت مکالمہ ہے جس میں آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اسے بے پناہ اجر و ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ جرجہ نے ڈھال پلٹ دی۔ اسلام قبول کر لیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور شریکِ جنگ ہو گیا نو مسلم رومی جرنیل! یہ ان لازوال فتوحات میں سے تھی جو اللہ نے رومی سلطنت کے خلاف عطا فرمائی۔ آج ہم رومیوں کے اتحادی بن کر خالد بن ولیدؓ کے نام کی کتب نفرت انگیز قرار دے کر ضبط کر رہے ہیں اور رکھنے والے کو حوالۂ زنداں......تُف بر تو......!

تادیر قومی زوال اور دماغی خلل کی وجوہات پر غور کیا۔ پھر یہ خبر نظر سے گزری۔ گدھے کا گوشت جا بجا فروخت ہونے کی کہانیاں...... بالخصوص پنجاب میں...... بڑے ہوٹلوں کو سپلائی ہونے کی خبر بھی تھی۔ قصاب نے رشوت کے طور پر پولیس کو بھی گدھے کا گوشت کھلایا۔ شاید یہ اسی کے اثرات بد کا شاخسانہ ہے! نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش! کتب کی نمائش پر پابندی ہے۔ اب آرائش و نمائش گیسو، کاکل و رخسار کی نمائش، کیٹ واک ڈاگ واک ہو گئی! آج سید عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب ضبط کل شاہ ولی اللہؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ کی باری آئے گی؟ جہالت کا دور دورہ ہے! صلاح الدین ایوبیؒ کی جگہ نئی نسل رچرڈ شیر دل کو پڑھے گی (آخر ہم نے ایک آپریشن کا نام بھی تو رچرڈ ہی کے نام پر شیر دل رکھا تھا!)

امریکہ جس کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہم یہ اقدامات کرتے رہے ہیں وہ ہمارے ازلی ابدی دشمن بھارت پر مرمٹا ہے! ہم گیس بجلی کے بحرانوں میں سسک رہے ہیں۔ وہ جوہری بجلی گھروں کی عنایات بھارت پر کر رہا ہے۔ ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی۔ بھارت...... امریکہ کا نیا جگری یار...... ہمارے دریاؤں کا سارا پانی پی گیا۔ دریاؤں کے منہ پر کس کر بند کے ڈھاٹے باندھ کر بجلی گھر بنا ڈالے۔ پھر بھی امریکہ کی مہربانیاں، فراوانیاں دن دہاڑے ہمارا منہ چڑاتے ہوئے بھارت ہی سے معاہدے کرنے میں نچھاور ہو گئیں۔ ہم سے صرف تقاضے ڈومور......یعنی مار اور...... مار اور...... لاشیں گراؤ پیسے لو! بھارت دوستی میں نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کر دو کہہ کر ہماری محبت کے سارے چراغ بجھا ڈالے۔ اُدھر بھارت نے یوم جمہوریہ مناتے ہوئے بھی ورکنگ باؤنڈری پر فائرنگ کرنا ضروری جانا۔

اس کے باوجود ہم نے خوشی خوشی ان سے مٹھائی وصول کر لی! اس فضا میں ہم خود سے جنگ کھیل رہے ہیں۔ گھر ٹھیک کرنے کی بجائے یہی طے نہ ہو سکا کہ وزیر خارجہ کون ہے؟ ڈرائیونگ سیٹ پر اصلاً کون ہے؟ کھینچا تانی جاری ہے۔ وکلاء کنونشن میں شدید غم و غصے کا اظہار 21ویں ترمیم اور فوجی عدالتوں پر کیا گیا۔ اسے سافٹ مارشل لاء قرار دیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ فوج کے سیاست میں ملوث ہونے سے اس کے وقار پر حرف آتا ہے جس پر شدید اظہار افسوس کیا گیا۔ کراچی شہر کی ایک دن کی بندش ملکی معیشت کے لیے کیا معنی رکھتی ہے کون نہیں جانتا۔ عراق کی طرز پر امام بارگاہ میں (شکارپور) شدید دھماکا۔ جذبات بھڑکانے کے اسباب......عراق کی کہانی پڑھ دیکھیے۔ وہی کھیل یہاں کھیلے جا رہے ہیں۔

ایک نیا شوشہ ایک بڑے قومی روزنامے میں ایک حضرت نے چھوڑا ہے۔ کسی ٹیلی فون کال کے سنے جانے کی بنیاد پر رائی کا پہاڑ بنا کھڑا کیا۔ (جس کی حقانیت، ویڈیو سوات کی طرح مشکوک ہے) باپردہ خواتین کی بہ حیثیت خودکش بمبار تیاری کا شوشہ! قبائلی پٹی میں ان کی تیاری کی بات حالانکہ قبائلی خواتین کی روایات سے کون واقف نہیں! بات میں وزن پیدا کرنے کو کچھ مشکوک

واقعات میں خواتین بمباروں کو استعمال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ دینی جماعتیں اس کا نوٹس لیں۔ پاکستان جرمنی یا فرانس نہیں بن سکا جہاں باپردہ خواتین پر نفرت انگیزی کی بنا پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ یہاں پردہ فی الحال محفوظ (Intact) ہے۔ اگرچہ تعلیمی اداروں میں پردے کی حوصلہ شکنی کے واقعات جاری ہیں۔ تاہم اس چیز کا پورا اندیشہ اور امکان موجود ہے کہ میڈیا پراپیگنڈا اچل پڑے اور پھر خدانخواستہ کوئی ایسا پلانٹڈ واقعہ کروا کر پردے کو ہدف بنایا جائے۔ (خودکش دھماکوں کی کہانیوں میں جابجا غلط بیانی، جھوٹے پراپیگنڈے کا عنصر شامل رہا ہے وہ ایک الگ داستان ہے)۔

پاکستان کا ماحول عورت کی عزت و تکریم میں گندھا ہوا ہے۔ جو حیادار عورت کو دیکھ کر نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ جہاں ایک عافیہ کا نام حلق میں پھنستا اور سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ روزافزوں پردہ اسلام دشمن قوتوں اور پاکستان کا پورا نقشہ بدل دینے کے خواہش مندوں کی نگاہ میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اب خودکش بمباروں کی آڑ میں پردے، حجاب کی حوصلہ شکنی اور پردہ دری بارے اگر سوچا جا رہا ہے تو یہ تباہ کن خوش فہمی ہوگی کہ یہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا جائے گا۔ مضمون میں بوکوحرام ماڈل خواتین دکھا کر دہلانے کی کوشش کی ہے۔ داعش میں بھرتی ہوتی آسٹریلیا یورپ کی لڑکیاں دکھائی ہیں۔ بلاوجہ یہ ہوّا یہاں نہ کھڑا کیا جائے۔ کینگرو اور پینگوئن کی طرح یہ پاکستانی سرزمین کے لیے اجنبی ہے۔ یہ ہمارا ماڈل نہیں! اگرچہ مضمون کا تضاد یہ ہے کہ ساتھ ہی القاعدہ کی طرف سے پشاور سانحے میں عورتوں بچوں کو مارنے کی شدید مذمت اور بندوقوں کا رخ مسلمان معصوم بچوں کی بجائے کفار کی طرف پھیرنے کی تاکید کا بھی حوالہ موجود ہے۔ نیز عورت کے لیے ہتھیار اٹھانے کو شجرِ ممنوعہ قرار دیتے ہوئے بچوں کی تربیت پر توجہ مرکوز کرنے کو کہا ہے۔ تاہم اس شوشے کا سدباب ضروری ہے۔ یوں بھی قرآن مسلمان عورت کو ام موسیٰؑ، ام عیسیٰؑ کا نمونۂ عمل دیتا ہے۔ شوہر فرعون جیسا بھی ہو تو حضرت آسیہ کی مثال رول ماڈل کے طور پر دیتا ہے۔ مسلم عورت کا کردار ''کہ در آغوشِ شبیرؓ بگیری۔ حسنؓ و حسینؓ بنا کھڑا کرنے کا ہے جس سے کفر لرزاں و ترساں ہے! خواتین کے مقام، حیاء، پردے کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی حماقت نہ کریں۔ اس میں حساسیت بے پناہ ہے!

☆☆☆

شان رسالت میں گستاخی ایک جرم عظیم

ضمیر اختر خان

فرانسیسی جریدے نے شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ سے بھرپور محبت کے اظہار کے لیے اس کے خلاف شدید احتجاجی مظاہرے کیے ہیں۔ یہ ایمانی جذبہ ہے جس نے مسلمانوں کو اس شدید ردعمل پر ابھارا ہے۔ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی یقیناً بہت بڑا جرم ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح کی روش ہر دور کے کفار نے دکھائی ہے۔ شاذ ہی کوئی نبی ایسے گزرے ہوں گے جن کا لوگوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔ قرآن مجید کی گواہی یہ ہے کہ ہر نبی کے دور کے کفار نے یہ گستاخیاں کی ہیں۔ یہودیوں نے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اتنی اذیتیں دی تھیں کہ وہ پکار اٹھے تھے کہ ''اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں تکلیفیں پہنچاتے ہو درآں حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔'' (الصف:5) یہودیوں کی اس گستاخانہ روش سے مسلمانوں کو باز رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) اذیت دی تھی۔'' (الاحزاب:69)

نبی ﷺ کی شان میں کفار مکہ نے جو جو گستاخیاں کی تھیں اس کا بھی قرآن گواہ ہے۔ قیام مکہ کے دوران نبی ﷺ نے کفار کی ہر اذیت، چاہے وہ روحانی تھی یا جسمانی، کا جواب صرف صبر کی صورت میں دیا۔ آپؐ نے خود بھی کمال صبر کا مظاہرہ کیا اور اپنے صحابہؓ کو بھی صبر پر کاربند رکھا۔ صحابہ کرامؓ کو حکم تھا کہ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ نہ اٹھانا ''اپنے ہاتھوں کو باندھے رکھو۔'' (النساء:77)

مدینہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے اسلامی ریاست قائم کی۔ طاقت مہیا ہوگئی تو آپؐ نے گستاخوں کو سزائیں بھی دلوائیں۔ چنانچہ ابورافع یہودی اور کعب بن اشرف یہودی کو نبی ﷺ نے قتل کروایا۔ ابی بن خلف نامی کافر کو تو رسول ﷺ نے خود جہنم واصل کیا تھا۔

(الرحیق المختوم: ص331، 374، 434)

ہم تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر فرانسیسی جریدے کے کرتا دھرتا شیطانی گماشتوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ اس موقع پر اہل اسلام کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرانے کی جسارت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے حالات پر بھی نظر ثانی کریں۔ کافروں کی شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی قابل نفرین ہے لیکن اگر اہل اسلام خود رسول مکرم ﷺ سے اپنے عملی تعلق کے حوالے سے کمزوری کا مظاہرہ کریں تو ان کے اس رویے کو کیا نام دیا جائے گا۔

اس وقت دنیا میں 58 مسلمان ممالک پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی نبی ﷺ کا لایا ہوا دین نافذ نہیں ہے۔ ان ممالک کے حکمرانوں کا عملی رویہ تو یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ دین اسلام کو فی زمانہ قابل عمل ہی نہیں سمجھتے۔ ہر ملک میں یا مغربی لادینی جمہوری نظام جاری کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں یا خاندانی و موروثی بادشاہتیں قائم ہیں۔ عوام الناس کا یہ حال ہے کہ وہ نہ اپنی انفرادی زندگیوں میں نبی ﷺ کی شریعت اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ ملکی سطح پر اللہ کے احکام کی تنفیذ سے ان کو دلچسپی ہے۔ ان کی ساری تگ و دو دنیا طلبی کے لیے ہے۔ ایسے بھی ہیں جو مغربی تہذیب کی نقالی میں نبی ﷺ کی سنت کی توہین تک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ سوچیے! جو مسلمان ہر روز صبح سویرے داڑھی جیسی نبی ﷺ کی مستقل سنت کو شیو کر کے گٹر لائن میں بہا دیتا ہے کیا وہ نبی ﷺ کے طریقے سے صریح انحراف نہیں کرتا ہے؟ اسی طرح جہاں نبی ﷺ کی عطا کردہ شریعت کے احکام ستر و حجاب کی دھجیاں بکھیری جائیں اور فحاشی و عریانی کو فروغ دیا جائے، کیا یہ رویہ نبویؐ تعلیمات سے صریح متصادم نہیں ہے؟

ہمارے وہ علمائے کرام جو ناموس رسالت کے حوالے سے اس وقت مختلف جلوسوں اور ریلیوں کی قیادت

کر رہے ہیں، ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس جذباتی ایمانی فضا سے فائدہ اٹھا کر عوام وخواص کو متوجہ کریں کہ دشمن کو نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی جرأت اسی وقت ہوتی ہے، جب نبی ﷺ کے ماننے والے بے عملی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کافروں کا ہمیشہ سے یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے ہیں۔ اہل ایمان انبیاء کی تعلیمات کے علمبردار بن کر کھڑے ہوتے رہے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے ثابت کرتے رہے کہ وہ اللہ ورسول کے وفادار ہیں۔

نبی ﷺ ایک امت تشکیل دے کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ آپؐ نے ایک عادلانہ نظام قائم کر کے امت کے حوالے کیا تھا۔ وہ نظام لگ بھگ بتیس سال تک تو نبوی منہاج کے عین مطابق خلافت راشدہ کی صورت میں قائم رہا۔ اس کے بعد بھی ایک عرصے تک عدل وانصاف کے اصولوں کے مطابق یہ چلتا رہا اور دنیائے انسانیت اس سے مستفید ہوتی رہی۔ اس دور میں شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

اندلس کے اموی حکمرانوں کے دور میں مسلمانوں کی شان وشوکت اور فتوحات سے جل بھن کر مقامی پادریوں نے نصرانی شہریوں کو نبی ﷺ کی شان میں گستاخی پر ابھارا تھا۔ جب کچھ بدبختوں نے یہ جسارت کی تو اموی حکمرانوں نے انہیں گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ ان کے اس انجام کو دیکھ کر عیسائی پادریوں نے چپ سادھنے میں عافیت سمجھی۔ صلیبی جنگوں کے دوران کا ایک واقعہ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ریجی نالڈ نامی ایک نصرانی حاکم نے عازمین حج کا ایک قافلہ لوٹا اور ساتھ ہی نبی ﷺ کی توہین کر کے امت مسلمہ کی غیرت کو للکارا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس حرکت کے جواب میں کہا: "اللہ کی قسم! میں ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا"۔ آخر کار حطین کے معرکے میں ریجی نالڈ گرفتار ہوا اور سلطان نے اسے واصل جہنم کر دیا۔

دین اسلام کی مغلوبیت کے دور میں کفار نڈر ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی مسلمانوں کی غیرت وحمیت کو ختم کرنے کی ناپاک جسارت ہے اور وہ اپنی اس طرح کی ناپاک حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے، تا آنکہ اللہ کا دین غالب ہو جائے، اور انہیں ان کی شنیع حرکتوں کی عبرتناک سزا دی جائے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دین کو انفرادی زندگیوں میں بھی پورے اخلاص سے مکمل طور پر اختیار کریں اور اجتماعی زندگی میں بھی اس کے نفاذ کی جد وجہد کریں۔ اہل پاکستان کو جلد از جلد دین وشریعت کے نفاذ کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، کیونکہ پاکستان کے قیام کا جواز بھی ہے۔ اس میں جتنی تاخیر ہوگی، مسائل بڑھتے جائیں گے اور اندیشہ ہے کہ خاکم بدہن اس کے حصے بخرے نہ ہو جائیں۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔

بقیہ: اداریہ

ہم اس کی سنت کے ساتھ چمٹ جائیں، اسے زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیں، اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگیں، ذاتی واجتماعی سطح پر قرآن وسنت کے فراہم کردہ نظام کو اپنالیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہماری گاڑی پٹڑی سے اتر چکی ہے۔ ہم اپنے دین سے اتنے دور جا چکے ہیں کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اکثریت کی حالت یہ ہے کہ نام کے سوا کوئی شے مسلمانوں کی سی نہیں ہے۔ یہ دین اسی طرح قائم کیا جا سکے گا جیسے آغاز میں اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قائم کیا تھا۔ یعنی غلبۂ دین کے لئے منہجِ نبوی کو اپنانا پڑے گا۔ قرآن پاک کو مسلمانوں کے اذہان وقلوب میں اتارنا پڑے گا اور اس کے دیے ہوئے نظام کو من وعن عملی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ جب اللہ کا دامن تھامیں گے تو غیب سے مدد اترے گی، یقیناً اسی طرح جیسے میدانِ بدر میں اتری تھی۔ مسلمان روحانی طور پر مضبوط ہوں گے تو ان کا جسمانی اور دنیوی لحاظ سے مضبوط ہونا منطقی اور فطری ہوگا۔ اور جب دشمن دیکھے گا کہ کسی ناپاک جسارت کا دنداں شکن جواب آ سکتا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے مل سکتا ہے تو وہ کبھی ایسی جرأت نہیں کرے گا۔ آخر مسلمانوں کے دورِ عروج میں کسی کی کیوں جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ قرآن جلائے (معاذ اللہ) یا آپ کی توہین کرے۔ اس لیے کہ بعض خرابیوں کے در آنے کے باوجود بحیثیت مجموعی اسلامی نظام قائم تھا۔ آج بھی اگر اُمت مسلمہ نظامِ خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو کوئی کافر فرد یا حکومت ایسی شنیع حرکت کی جرأت نہیں کرے گا۔ قصہ کوتاہ شریعت محمدی کا نفاذ ہوگا تو مسلمان کی سنی جائے گی۔ قرآن پاک کا احترام بھی ہوگا اور رسول کریم ﷺ کی شان خود دنیا بیان کرے گی۔ لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ اُمت مسلمہ حقیقی معنوں میں معرض وجود میں آئے اور نظام خلافت قائم ہو، تاکہ یہود ونصاریٰ کے گٹھ جوڑ کا متحد ہو کر مقابلہ کیا جا سکے۔ پھر یہ کہ نظام خلافت کے قیام کے لیے حضور ﷺ کے اختیار کردہ منہج کو اپنایا جائے۔ اگر ہمارا عشق رسول حقیقی ہے تو اس پر کیا دو رائے ہو سکتی ہیں؟ کیا کسی کو اس سے اختلاف ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں! ہمارے اتحاد واتفاق کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے اور نبی اکرم ﷺ کی مبارک ہستی ہے۔ یہ تعلق مضبوط ہو جائے تو سب ٹھیک ہے، سب سرنگوں ہوں گے۔ دنیا وآخرت میں کامیابی اور کامرانی امتِ مسلمہ کا مقدر رہوگی۔ ان شاء اللہ۔

ضرورت رشتہ

☆ کشمیری بٹ فیملی کو اپنی دو بیٹیوں عمریں 22 سال اور 20 سال، تعلیم بالترتیب ایم اے، بی اے کے لئے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں۔ برائے رابطہ: 0322-8464211

☆ کشمیری بٹ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم انٹرمیڈیٹ کے لئے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0322-9416980 0307-4521502

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی پشاور شہر کے ملتزم رفیق غلام مقصود کی والدہ محترمہ وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی ملتان کینٹ کے رفیق جناب محمد اعظم کی نانی بقضائے الٰہی وفات پاگئیں

☆ نیو کراچی کے رفیق جناب احتشام الحق کی والدہ وفات پاگئیں

☆ حلقہ کراچی شمالی گلستان جوہر 2 کے رفیق کلیم احمد خان کے بھائی رحلت فرماگئے

☆ مقامی تنظیم شاہ فیصل کے مبتدی رفیق شمس الاسلام وفات پاگئے

☆ حلقہ لاہور شرقی کی مقامی تنظیم داروغہ والا کے رفیق منیر احمد کے والد وفات پاگئے

☆ اورنگی ٹاؤن کے رفیق زبیر عالم کے خسر وفات پاگئے

☆ نارتھ ناظم آباد کے رفیق تنظیم عزیز زاہد صدیقی کی والدہ محترمہ رحلت فرماگئیں

☆ نقیب اسرہ قرآن اکیڈمی جھنگ محمد یعقوب کی والدہ محترمہ انتقال فرماگئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین)۔ قارئین سے بھی مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

سالانہ اجتماع 2015ء کے موقع پر

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقاءِ تنظیم اسلامی کے نام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَo﴾ (العنکبوت:69)

محترم رفقاءِ تنظیم اسلامی، آپ سب کے لیے یہ اطلاع یقیناً خوشی اور مسرت کا موجب ہوگی کہ آئندہ سالانہ اجتماع کے لیے تاریخوں کا تعین کیا جا چکا ہے اور وہ اجتماع جس کا ساتھیوں کو سال بھر انتظار رہتا ہے، اب زیادہ دور نہیں ہے۔ ان شاء اللہ

پچھلے سال آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے فروری کے اواخر میں بوجوہ سالانہ اجتماع کا انعقاد کیا تھا۔ امسال بھی قریباً انہی دنوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یعنی 20 تا 22 فروری سالانہ اجلاس عام کا انعقاد ہوگا، ان شاء اللہ۔ بہرکیف، یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی مدد کے ہی نتیجے میں ممکن ہو سکے گا۔

مقام اجتماع سے آپ خوب واقف ہیں۔ اس سے پہلے تین سالانہ اجتماعات اس مقام پر ہو چکے ہیں۔ بہاولپور شہر کے مضافات میں دریائے ستلج کے کنارے ایک وسیع قطعہ اراضی ہے جو تنظیم اسلامی کی مرکزی اجتماع گاہ ہے۔

رفقاء محترم، آپ خوب جانتے ہیں کہ تین دنوں پر محیط یہ اجتماع تنظیمی زندگی میں ایک منفرد اور خصوصی مقام رکھتا ہے۔ ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے اپنے ہم مقصد ساتھیوں اور تنظیمی وابستگان کے ساتھ ملاقات کا موقع اور وہ بھی خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ایک خاص روحانی اور ایمانی کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ہمارے لیے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے اندر بھی بشارت کا بڑا سامان ہے جن کی رو سے صرف اور صرف اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرنا اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ کے جو مسافر ہیں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنا، ملاقات کرنا، ایک دوسرے کا احترام و اکرام کرنا اللہ کی نگاہ میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ حدیث قدسی میں یہ بشارت بڑی وضاحت کے ساتھ آئی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی محبت واجب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے!

''میرے لیے محبت کرنے والے، میری وجہ سے بیٹھنے والے اور میرے لیے ملنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہو جاتی ہے''

یہ ہے وہ بشارت جو اس موقع کے حوالے سے مجھے یاد آئی اور ایک ساتھ مل بیٹھنے کے مواقع ہمیں وہاں پر حاصل ہوں گے۔ خاص طور پر سالانہ اجتماع کا وہ واحد موقع ہے کہ ملک بھر سے آئے ہوئے رفقاء جو رنگ و نسل اور زبان کے اعتبار سے مختلف پس منظر رکھتے ہیں لیکن ہم مقصد ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے ہم مقصد ساتھیوں سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کو زیارت کا موقع ملتا ہے، شرف ملاقات حاصل ہوتا ہے تو اس سے جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اور دینی اخوت کے جو پاکیزہ جذبات جنم لیتے ہیں، انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک منفرد روحانی تجربہ ہوتا ہے۔

رفقاء محترم، کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں باہم ملنے کے مواقع تو اسرہ کے اجتماع میں بھی مل جاتے ہیں، مقامی تنظیم کے اجتماع میں بھی، حلقہ کے اجتماع میں بھی میسر آتے ہیں۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن سچی بات ہے کہ سالانہ اجتماع کی بات کچھ اور ہی ہے۔ میں سوچ رہا تھا تو میرا ذہن منتقل ہوا کہ دیکھئے نماز اپنی جگہ ایک مستقل عبادت ہے لیکن اس کا بھی ایک محل و مقام کے فرق کا وہاں بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ پنج وقتہ نماز آپ اپنی قریبی مسجد میں ادا کریں گے۔ جمعہ کی نماز میں ایک بڑی اجتماعیت ہوتی ہے۔ اس کے لیے جامع مسجد چاہیے۔ اس سے بڑی اجتماعیت عیدالفطر ہے یا عیدالاضحیٰ ہے۔ وہاں پر مسلمان اکٹھے ہو کر بظاہر وہی نماز ادا کر رہے ہیں لیکن اجتماع کا حجم یہاں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا نقطہ عروج (climax) حج کا اجتماع ہے۔ وہاں پھر دنیا کے کونے کونے سے مسلمان (اور مسلمان بھی کون سے جو ایک امت ہیں) جن کا مقصد ایک ہے، سوچ ایک ہے، وہ سب کے سب جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی اپنی ایک تاثیر ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہر ایک محل و مقام کی اپنی اپنی تاثیرات ہیں، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی اعتبار سے یہ جو سالانہ اجتماع ہے اس کی اپنی ایک تاثیر ہے جو کہ مخصوص ہے سالانہ اجتماع کے ساتھ۔

بطور یاددہانی عرض کر رہا ہوں کہ ایک بڑے دینی اجتماع کی خصوصی تاثیر کے ساتھ اس موقع پر ہمیں اپنے تحریکی سبق کو از سر نو تازہ کرنے اور اقامت دین کی جدوجہد کے مختلف گوشوں کو علمی اور فکری اعتبار سے دہرانے کا بھی موقع میسر آتا ہے اور پھر رفقاء ایک نئی ایمانی و روحانی قوت، ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔

بہرکیف سالانہ اجتماع میں شرکت اور بھی بہت سے اعتبار سے باعث خیر و برکت کا ہے۔ ایک خاص زاویہ میرے ذہن میں اس وقت اور آیا ہے وہ یہ ہے کہ صرف دین کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر سفر کرنا اپنی جگہ ایک نہایت مطلوب عمل ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ دینی تقاضا ہے کہ جس کی خاطر ہر شخص کو اپنے گھر سے نکلنا ہوگا، بہت دور دور سے بھی لوگ آئیں گے۔ تو اللہ کی خاطر سفر کی صعوبت برداشت کرنا، گھر کے آرام کی قربانی دینا اللہ کی نگاہوں میں بہت پسندیدہ عمل ہے اور موجب ثواب ہے۔ سورۂ توبہ میں سچے اہل ایمان کی جو صفات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں ایک صفت ''السائحون'' ہے یعنی ''لذات دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے''۔ یہاں سیاحت کا لفظ لایا گیا ہے جس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ سفر کی خاطر گھر سے نکلنا یعنی صرف اللہ کی خاطر اور اللہ کے دین کی خاطر گھر کے آرام کو چھوڑ کر سفر اختیار کرنا، یہ اللہ کی نگاہ میں بہت پسندیدہ عمل ہے اور بندہ مومن کے مطلوبہ اوصاف میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس اجتماع میں شرکت اس پہلو سے بھی نہایت خیر و برکت کی موجب ہوگی۔ اس اجتماع کی خاطر طویل یا مختصر سفر سبھی کو اختیار کرنا ہوگا۔ اور اس طرح ان شاء اللہ کثیر اجر و ثواب ان کے حصے میں آئے گا۔

بہرحال ان باتوں کے پیش نظر میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آج ہی سے عزم مصمم کیجیے کہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ ہمارے تبلیغی بھائی کہا کرتے ہیں کہ کسی بھی نیک کام کی نیت تو ابھی سے کر لیجیے تو کم از کم نیت کا ثواب تو مل ہی جائیگا۔ یقیناً یہ اپنی جگہ مطلوب عمل ہے اور وہ ہمیں کرنا ہی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں اضافہ کروں گا کہ عزم مصمم بھی کیجیے کہ یہ کام ہمیں کرنا ہے، ان شاء اللہ۔ اپنا سا پورا زور لگانا ہے اور کسی بھی عذر کو راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دینا۔ اس کے لیے ہمیں ساتھ ساتھ اللہ سے بھی دعا کرنا ہوگی اور اس کا اہتمام ہم اپنے لیے بھی کریں اور میں آپ سے گزارش کروں گا کہ میرے لیے بھی دعا کریں اور تمام تنظیمی ساتھیوں اور ذمہ داران کے لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ سب کے لیے اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کر دے اور جیسے کہ ہم نے پروگرام ترتیب دیا ہے اس میں کوئی انتظامی رکاوٹیں حکومت کی طرف سے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دے اور ہم سب کو سالانہ اجتماع کی نعمتوں، برکتوں سے اور اس میں خیر کے جو بھی پہلو ہیں، ان سب سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

’’اسلام اور ریاست‘‘ ایک جوابی بیانیہ

نعیم اختر عدنان

جناب جاوید احمد غامدی نے اسلامی تحریکوں، مذہبی سیاسی جماعتوں، انتہا پسند تنظیموں اور دینی مدرسوں میں پڑھائے جانے والے نصاب کو حقیقت واحدہ قرار دے کر اِسے بین السطور غلط قرار دے کر اسلام کے صحیح فکر کا جوابی بیانیہ ’’اسلام اور ریاست‘‘ کے نام سے پیش فرمایا ہے۔ جس سے وہ مسلم ممالک اور معاشروں کی موجودہ صورت حال تبدیل کر کے ’’اصلاح‘‘ چاہتے ہیں۔ ریاست اور مذہب کے تعلق کو انہوں نے بے بنیاد اور اِسے کلی طور پر رد کرتے ہوئے قرارداد مقاصد کو، جو پاکستان میں بننے والے تمام دساتیر کا حصہ رہی ہے چیلنج کیا ہے۔ گویا جاوید صاحب مفکر اسلام و پاکستان علامہ اقبال کے نظریہ وخیال کو بھی رد کر رہے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

مفسر قرآن اور عظیم اسلامی سکالر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے دین اسلام کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ’’سچا دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ عربی زبان میں ’’دین‘‘ کئی معنوں میں آتا ہے جن میں سے ایک طریقہ اور مسلک کے ہیں۔ یعنی دین سے مراد وہ طریق زندگی یا طرز فکر ہے جس کی پیروی کی جائے۔ خیال رہے کہ قرآن اسلام کو محض ’’دین‘‘ ہی نہیں بلکہ ’’الدین‘‘ کہہ رہا ہے..... یعنی قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام ہی ایک حقیقی اور صحیح زندگی یا طرز فکر و عمل ہے۔ طریق زندگی سے مراد زندگی کے کسی خاص پہلو یا خاص شعبہ کا طریق نہیں بلکہ پوری زندگی کا طریق ہے۔ الگ الگ ایک ایک شخص کی انفرادی زندگی ہی کا طریق نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی سوسائٹی کا طریق بھی ہے۔ ایک خاص ملک یا ایک خاص قوم یا ایک خاص زمانہ کی زندگی کا طریق نہیں بلکہ تمام زمانوں میں انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا طریق ہے..... انسانی زندگی ایک کل ہے جسے الگ الگ شعبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا انسان کی پوری زندگی کا ایک ہی دین ہونا چاہیے۔‘‘ (اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات۔ از مولانا سید مودودی)......

اِس طویل اقتباس کی روشنی میں اگر جاوید احمد غامدی کے ریاستی فکر کا محاکمہ کیا جائے تو یہ بات قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے جو فکرِ غامدی کی اساس اور بنیاد ہے۔ موصوف خود کو ایک اسلامی مفکر اور مصلح کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر ان کی ذات اور افکار کا معاملہ علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق قرار پاتا ہے۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ!

اِسی صحبت زاغ کا نتیجہ فکر یوں برآمد ہوتا ہے کہ غامدی صاحب یہ کہتے ہوئے بھی ذرا نہیں شرماتے کہ ’’نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اِس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے‘‘۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ اور اسلامی مفکرین اور تاریخ اسلام تصور خلافت سے انسانیت کو روشناس کراتے ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی فرمانِ رسالت ﷺ اِسلام کے سیاسی نظام کو آشکارا کرتا ہے۔ فرمانِ رسالتؐ ہے: ’’تمہارے اندر عہد نبوت موجود رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب اللہ اُسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہد نبوت) کو ختم کر دے گا۔ (اس کے بعد) پھر خلافت طریق نبوت پر قائم ہو گی، جو قائم رہے گی جب تک اللہ اِسے قائم رکھنا چاہے گا۔ پھر جب اللہ اِسے ختم کرنا چاہے گا تو اُسے ختم کر دے گا...... (آخری دور میں) پھر خلافت طریق نبوت پر (دوبارہ) قائم ہو جائے گی۔‘‘ (مسند احمدؒ)

خلافت راشدہ کا سنہرا دور اور خلفائے راشدین کی بے مثال خدمات اور عظیم کارنامے تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ اِسی لئے تو ترجمان القرآن علامہ محمد اقبال نے اپنے فکرِ خلافت کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

کمال اتاترک نے جب خلافت عثمانیہ کا چراغ گل کر دیا تو علامہ اقبال نے یوں اپنے درد اور دلی جذبات کا اظہار کیا۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

جاوید احمد غامدی نے خلافت کے تصور کا انکار کر کے گویا یہ ثابت کر دیا ہے کہ۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

تدبر قرآن جیسی تفسیر قرآنی کے مصنف اور مکتب فراہیؒ کے علمبردار مولانا امین احسن اصلاحیؒ ’’ریاست کا اسلامی تصور‘‘ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ’’اسلام نے اپنے اصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم (نظمِ حکومت) کے لئے ریاست یا سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں اختیار نہیں کیں بلکہ خلافت، امارت یا امامت کی اصطلاحیں اختیار کی ہیں...... خلافت کی اصطلاح اسلامی اُصولوں پر قائم شدہ ریاست کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اسلام میں ریاست محض ایک ریاست نہیں ہے بلکہ وہ خلافت ہے......‘‘ آگے چل کر مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں ’’خلافت کا شعور خود انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ خدا نے خود انسان کو اِسی منصب کے لئے پیدا کیا ہے۔ اِسی شعور نے اُسے سیاسی زندگی اختیار کرنے پر اُکسایا ہے۔ اس زمین پر انسان کا فطری منصب ایک خود مختار اور مطلق العنان ہستی کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب کا ہے۔ اسے ایک خاص دائرہ کے اندر تصرف کا اختیار ضرور حاصل ہے، لیکن اُس کا یہ اختیار ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا تفویض کردہ ہے۔‘‘ آگے مزید لکھتے ہیں: ’’اسلام نے اپنے نظام اطاعت میں ’’اولوالامر‘‘ کو جو بلند مقام اور منصب دیا تو اِس وجہ سے دیا ہے کہ یہ حاکم خدا کی تشریعی حاکمیت (شریعت الٰہی) کے زمین میں نفاذ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک لا دینی جمہوری ریاست میں حاکمیت و اختیار کے مالک جمہور ہوتے ہیں مگر اسلامی ریاست میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے‘‘۔ خلافت کا تصور تو بہت واضح اور تواتر سے خواص و عوام کے اذہان و قلوب میں موجود ہے، جیسے سورج کی روشنی مگر غامدی صاحب جیسے مفکرینِ اسلام کا حال اقبالؒ کے اِس شعر کا مصداق ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ ’’اسلام میں قومیت کی بنیاد اسلام نہیں ہے جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث میں کسی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں‘‘......مولانا سید مودودیؒ فرماتے ہیں ’’اسلام کسی مذہب اور مسلمان کسی قوم کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک انقلابی نظریہ ومسلک ہے جو تمام دنیا کے اجتماعی نظم کو بدل کر اپنے نظریہ ومسلک کے مطابق اِسے تعمیر کرنا چاہتا ہے اور مسلمان اُس بین الاقوامی انقلابی جماعت کا نام ہے جسے اسلام اپنے مطلوبہ انقلابی پروگرام (بیانیہ) کو عمل میں لانے کے لئے منظم کرتا ہے اور جہاد جدوجہد کا اور اُس انتہائی صرف طاقت کا نام ہے جو اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عمل میں لائی جاتی ہے۔‘‘ (اسلامی نظام زندگی اور اُس کے بنیادی تصورات) مولانا جہاد کے عنوان تلے یوں لکھتے ہیں: ’’مسلمان مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے، جسے دنیا سے ظلم وفساد، بداخلاقی اور ناجائز انتفاع کو بزورِ قوت مٹانا ہے‘‘۔ مگر کیا کیا جائے غامدی صاحب جیسے لوگوں کا

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

عالم اسلام کے عظیم مفکر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ’’اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر اللہ انہیں ملک کا اقتدار عطا کرے تو وہ اِس میں نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ کو جاری وساری کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روک دیں گے (سورۃ الحج:61) خدا کا یہ فرمان جس طرح نزول قرآن کے وقت صحیح تھا۔ آج بھی صحیح ہے اور قیامت تک صحیح ہوگا۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ میں امر ونہی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، استدعا اور درخواست کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے۔ امر ونہی وہ مقام چاہتے ہیں جہاں سے ہم اعتماد کے ساتھ، جرأت کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے۔ امر ونہی درخواست کے معنی میں نہیں۔ امر ونہی حکم دینا اور روکنا ہے۔ اِس کے لئے ایسی قوت کا ہونا ناگزیر ہے جس سے وہ امر یعنی حکم دے سکے اور نہی (منع) کر سکے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کو قوت کی ضرورت ہے۔ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے۔ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے۔ نسل انسانی، انسانی سماج کی اصلاح اور مکمل اصلاح اِس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی‘‘ (بحوالہ ’’حدیث پاکستان‘‘ از مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مولانا سید مودودیؒ فرماتے ہیں: اسلام کی بنیاد تین اصطلاحوں پر رکھی گئی ہے 1۔ توحید 2۔ رسالت 3۔ خلافت   لفظ خلافت کو لیجئے، یہ لفظ عربی زبان میں نیابت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا میں انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے، نائب ہے یعنی اُس کے ملک میں اُسی کے دیئے ہوئے اختیارات کو اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ (اسلام کا سیاسی نظام۔ بحوالہ اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات)۔

علامہ جاوید احمد غامدی اسلام اور اسلامی تعلیمات کا ایک خود ساختہ تصور بنا کر اُسے اسلام کا لیبل لگا کر پیش کرنے کی سعی و جہد میں مصروف ہیں۔ ان کے یہ تصورات ہرگز ہرگز قرآن و حدیث سے مطابقت نہیں رکھتے۔ عبداللہ ابن مبارکؒ کا فرمان ہے کہ دین میں فساد کرنے والے تین گروہ ہیں۔ ایک حکمران، دوسرے دنیا پرست علماء اور تیسرے نام نہاد صوفیا۔ ہماری دانست میں اسلام اور ریاست میں بیان کئے گئے افکار وخیالات کا اسلام اور اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ غامدی صاحب اپنے ’’فکر‘‘ کو اسلام کا جامہ پہنانے سے گریز کریں تو بہت مہربانی ہوگی۔ ویسے علامہ اقبال نے ایسے ہی ’’بعض اہل نظر‘‘ کے حوالے ہی سے یہ فرمایا تھا۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک قول پیش خدمت ہے: ’’اے اللہ میں کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین پر چلوں گا اگر میں کتاب اللہ (قرآن) کی آیت سے متعلق کوئی ایسے بات کہہ دوں جس کی کوئی بنیاد نہیں، کوئی تحقیق نہیں۔‘‘ علماء اسلام کے فہم اسلام کو رد کرتے ہوئے سیکولر فکر کی آبیاری وہ بھی اسلام کے نام پر۔ افسوس صد افسوس! یہی کہا جاسکتا ہے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

اور

طوق زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم

اپنے مضمون کے آخر میں ہم مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال اور بانی پاکستان محمد علی جناح کے فرمودات پیش کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کے اذہان وقلوب میں علم و دانش کے نام پر مغالطہ پیدا کرنے والوں کے فساد قلب و نظر کو آشکارا کیا جاسکے۔

اسلام انسان کی وحدت کو مادے اور روح کی متضاد دوئی میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک کل کے اجزاء ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں جسے کسی ایسی دنیا کی خاطر ترک کرے جو کہیں اور واقع ہے۔ دنیائے اسلام میں ایک عالم گیر ریاست موجود ہے جس کے بنیادی نکات وحی وتنزیل کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں...... اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو انسان کو جغرافیائی حدود سے آزاد کرا سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں بے انتہا اہمیت حاصل ہے اور جس کا ایمان ہے کہ اسلام بجائے خود تقدیر ہے۔ اِسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ (بحوالہ۔ علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد مصنف ڈاکٹر ندیم شفیق ملک۔ مطبوعہ اقبال اکیڈمی پاکستان) برصغیر میں مسلم ریاست کے حوالے سے علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں: ’’ایک ایسا ملک جہاں سب سے بڑا اسلامی مجموعہ آبادی ہے، اِس لئے وہ اِس تجربہ کے لئے سب سے موزوں جگہ ہے، جہاں صالح سوسائٹی کی تشکیل، اجتماعی زندگی کی تنظیم، اقتصادی مسائل کا حل اور تہذیب کی صحیح اور پاکیزہ رہنمائی، عقیدہ اور عمل، مادیت اور روحانیت اور فرد اور جماعت کی ایک ایسی ہم آہنگی ہو سکے۔‘‘ (بحوالہ مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش، صفحہ 120۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اکتوبر 1947ء کو پاکستان کی مسلح افواج کے اعلیٰ افسران اور سول حکام کے سامنے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ’’پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم دس سال سے کوشاں تھے بفضلہ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے لیکن خود اپنی مملکت کا قیام ہمارے مقصد کا ایک ذریعہ تھا، اصل مقصد نہیں تھا۔ منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں۔ جسے اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ برتے جا سکیں۔‘‘ ...... لیاقت علی خان مرحوم نے 4 جنوری 1948ء کو پشاور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ’’پاکستان ہمارے لئے ایک تجربہ گاہ ہے اور ہم دنیا کو دکھلا دیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کارآمد ہیں...... ایک اور خطاب میں کہا ’’تاکہ ایک ایسی حکومت بنائی جاسکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو جس سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی۔‘‘

آخر میں عرض ہے کہ دنیا اسلام میں کسی مارٹن لوتھر کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ اسلام میں کوئی کلیسائی نظام موجود نہیں۔ جسے توڑنے یا ختم کرنے کی ضرورت جاوید احمد غامدی یا ان جیسے لوگوں کو درپیش ہو!

☆☆☆☆☆

امریکی نیوز چینل سی این این کی افترا پردازی

مغربی میڈیا کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے!

محبوب الحق عاجز
mehboobtnoli@gmail.com

ایک اسلامی رفاہی ادارے الحرمین فاؤنڈیشن پر دہشت گردی کا الزام لگا، تو اِس پر ایک مغربی نقاد نے کہا تھا: الحرمین (اور ریگن) جیسی اسلامی تنظیم کو مشکوک ٹھہرا کر اُس پر دہشت گردی کا لیبل لگا دیا گیا۔ یہ کام ان لوگوں نے کیا ہے جو الزام پہلے لگاتے ہیں اور سچائی بعد میں ڈھونڈتے ہیں۔ مغربی نقاد کی یہ بات اہل مغرب کے عمومی مزاج اور کیفیات کا اظہار ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مغربی دنیا کے دانشور، سیاسی رہنما اور میڈیا اسلام، اسلامی تحریکوں اور تنظیموں پر ایک عرصے سے بے سروپا الزام تراشی کر رہے ہیں، تاہم یہ سب کچھ نادانی یا لاعلمی کی بنا پر نہیں ہوتا، بلکہ جانتے بوجھتے مخصوص مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔ مغربی دنیا کا میڈیا اِس میدان میں سب سے آگے ہے، جس کی مہار صیہونی شیطانی ٹولے کے ہاتھ میں ہے، جو نیو ورلڈ آرڈر کے غلبے کے لئے کوشاں اور اپنے مسیحا (مسیح الدجال) کی آمد کے لئے سٹیج تیار کر رہا ہے۔ میڈیا، جس میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں شامل ہیں، بنیادی طور پر معلومات اور تفریح کا ذریعہ ہے، مگر آج اُس نے حق و باطل کے جاری معرکہ میں اپنا وزن پوری طرح باطل کے پلڑے میں ڈالا ہوا ہے۔ حقائق و واقعات کی غیر جانبدرانہ اور معروضی رپورٹنگ کی بجائے انہیں مسخ کر کے پیش کرنا اس کا وتیرہ ہے، جس سے مقصود اسلام کی غلط تصویر پیش کرنا، اہل اسلام کو بدنام کرنا اور اسلامی تحریکوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا ہے۔ مغربی میڈیا کے دجل و فریب کی تازہ مثال حال میں سامنے آئی ہے۔ فرانسیسی جریدے ''چارلی ہیڈو'' کی توہین رسالت پر مبنی گستاخانہ جسارت کے خلاف گزشتہ دنوں کراچی میں تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا۔ حسب روایت یہ مظاہرہ کلیۃً پُر امن تھا اور اس میں کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوئی تھی۔ مگر امریکی نیوز چینل سی این این نے مظاہرے کی جو فوٹیج نشر کیں، ان کے نیچے لگائی گئی کیپشن سراسر جھوٹ اور خلاف حقیقت تھی۔ کیپشن یہ تھی:

"PARIS TERROR ATTACKS PROTESTS OVER CHARLIE HEBDO COVER TURN VIOLENT Crowds burn churches and Bibles over Muhammad cover "

(پیرس: دہشت گردانہ حملے۔ چارلی ہیڈو کے معاملے میں احتجاج نے تشدد کا رنگ اختیار کر لیا۔ (حضرت) محمد (ﷺ کی ناموس) کی آڑ میں چرچ اور بائبل کے نسخے جلا دیے گئے)

تنظیم اسلامی کے ذمہ داران اور مقررین کے خطابات اور تنظیم کے جرائد ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' اور ماہنامہ ''میثاق'' میں یہ بات تسلسل سے کہی جاتی ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا اسی طور سے تحفظ کیا جائے گا، جیسے مسلمانوں کا کیا جاتا ہے۔ ان کو نہ صرف مذہبی آزادی دی جائے گی، بلکہ اُن کی عبادت گاہوں کا بھی پورے طور پر تحفظ کیا جائے گا۔ ایسی فکر کی حامل دینی تنظیم کے احتجاجی مظاہرین کے حوالے سے یہ کہنا کہ وہ چرچوں کو جلا رہے ہیں، کتاب مقدس بائبل کے نسخوں کو نذر آتش کر رہے ہیں قبیح الزام تراشی اور سفید جھوٹ ہے۔ یہ بدترین صحافتی بدیانتی ہے، جسے فریب کاری اور بدنیتی کا مظہر ہی کہا جا سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی لگ بھگ چار عشروں سے اپنی دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ اُس نے حکومت کی داخلی پالیسیوں اور عالمی سطح پر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اقدامات پر گاہے بہ گاہے مظاہروں کا بھی اہتمام کیا ہے۔ تاہم تنظیم اسلامی کے سرگرمیوں سے آگاہ حلقوں اور باخبر اہل وطن سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ تنظیم اسلامی کا احتجاج نہایت منظم اور توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ سے یکسر پاک ہوتا ہے۔ یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ جتنے پُر امن اور توڑ پھوڑ سے پاک مظاہرے تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ہوتے ہیں، اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ تنظیم اپنے انقلابی عمل میں پوری طرح عدم تشدد کے فلسفے پر عمل پیرا ہے۔ وہ کسی بھی صورت اپنے رفقاء و احباب کو تشدد کرنے یا تشدد پر اکسانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ملک کے مختلف شہروں بالخصوص لاہور، کراچی اسلام آباد اور پشاور میں تنظیم نے اب تک سینکڑوں مظاہرے کئے، مگر کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی کہ تنظیم کے مظاہرے میں توڑ پھوڑ ہوئی اور نقص امن کا مسئلہ پیدا ہوا ہو۔ اور تو اور اس بارے میں ملک میں قانون نافذ کرنے والے ادارے اور پولیس اہلکار تک گواہی دیتے ہیں کہ تنظیم اسلامی کے مظاہرے سب سے زیادہ پُر امن ہوتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تنظیم اسلامی کے مظاہرے کے حوالے سے سی این این کا چرچ جلانے اور بائبل کے نسخے نذر آتش کرنے کا الزام محض اتہام ہے اور یہ اس عالمی گمراہ کن پروپیگنڈے کا حصہ ہے، جس کے تحت دجالی فکر اور تہذیب کے علمبردار دشمنان اسلام اسلامی تحریکوں اور اداروں کو بدنام کرنا اور اسلام کے خلاف نفرت پیدا کر کے اُس کی راہ روکنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ امر بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ تنظیم اسلامی اپنے پُر امن راستے اور عدم تشدد کے فلسفے پر عمل پیرا رہے گی اور اِس حوالے سے کسی پروپیگنڈے سے متاثر یا مرعوب نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

امریکی نیوز چینل سی این این کی جانب سے تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے مظاہرے کی کوریج، تصویر کے نیچے دی گئی کیپشن صحافتی بدیانتی اور اسلام دشمنی کی صریح مثال ہے

بے حیائی: معاشرے کے لیے ناسور

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانانِ گرامی: پروفیسر غالب عطاء (معروف دانشور)
ڈاکٹر عبدالسمیع (امیر تنظیم اسلامی، فیصل آباد)

میزبان: آصف حمید — مرتب: محمد خلیق

سوال: یہ بتائیے کہ فحاشی کی تعریف کیا ہے؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: فحاشی کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے: بے حیائی۔ انگریزی میں اسے Obscenity کہتے ہیں۔ حیا کا مطلب ہے hesitation۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جنسی تعلق کے جائز راستے کے علاوہ کسی بھی راستے کی طرف انسان کے اُس رجحان کو روکنا جو اللہ تعالیٰ نے اس میں فطری طور پر رکھا ہے۔ حیا کا متضاد فحاشی، بے حیائی ہے، یعنی اس رجحان کو نہ روکنا بلکہ اور آگے بڑھنے دینا اور مزید چمکانا، تاکہ بے راہ روی کا راستہ ہموار ہوجائے۔

سوال: ایک حیا پٹھان عورت کی ہے جبکہ ایک حیا بنگالی عورت کی ہے۔ حیا کی بنیاد کیا ہے، یعنی بے حیائی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: مرد اور عورت سائنسی بنیاد پر دو مختلف وجود ہیں۔ انسانی جسم خلیہ (cell) سے بنتا ہے۔ سیل میں ایک خلوی دیوار (cell wall) ہوتی ہے، جس کے اندر پروٹوپلازم ہوتا ہے۔ اس کے اندر مرکزہ (nucleus) ہوتا ہے، جس میں کروموسومز ہوتے ہیں۔ آج کی زبان میں کروموسومز کو کسی بھی جان دار (living being) کا سافٹ ویئر کہا جاسکتا ہے۔ مرد اور عورت سوائے ایک آدھ عضو (organ) کے، ایک جیسے دکھتے ہیں لیکن جب ہم ان کے سافٹ ویئر کو دیکھتے ہیں تو وہاں مرد اور عورت کا ہر خلیہ مختلف نظر آتا ہے۔ کروموسومز کی کل تعداد 46 ہے۔ ان میں سے 45 کروموسومز دونوں کے مماثل (identical) ہیں جبکہ ایک کروموسوم ہر مرد میں عورت سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سیل کے چھیالیسویں حصے میں فرق ہے۔ لیکن خلیات کی تعداد چونکہ کھربوں میں ہے اس لیے 1/46 کو جب کھربوں سے ضرب دیں گے تو بہت فرق آجائے گا۔ لہٰذا سب سے پہلے ہمیں اس سائنسی حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ مرد اور عورت دو مماثل (identical) وجود نہیں ہیں، یعنی ان کا رویہ ایک جیسا نہیں ہے۔ قرآن مجید نے بھی ہمیں یہی بتایا کہ ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ (آل عمران:14) ”لوگوں کے لیے پُرکشش بنائی گئیں ان کی خواہشات کی محبتیں جو انھیں لاحق ہوتی ہیں عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں۔“ آج میں ترجمہ کروں گا برینڈڈ رائیڈ۔ رائیڈ مہران بھی ہے اور رائیڈ مرسڈیز بھی ہے، لیکن مرد کو مرسڈیز کا craze ہے کہ نہیں؟ تو قرآن مجید کی یہ تصویر بڑی خوبصورت ہے۔ اس میں پہلے نمبر پر عورت ہے۔ یہاں الناس سے مراد مرد ہیں۔

مشاہداتی انداز میں دیکھیں کہ ایک عام عورت شادی شدہ ہے، بال بچوں والی ہے، گھر میں خوش ہے تو وہ شاذ ہی اِدھر اُدھر دیکھے گی جبکہ مرد کبھی نیک طینت ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کچھ مرد یہاں بیٹھے ہوں اور دیوار کے پاس کسی گزرگاہ سے سینکڑوں مرد گزر جائیں تو کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگا لیکن اگر ایک عورت کے پاؤں کی آہٹ سنائی دے گی تو سب اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ مرد کی فطرت ہے جو قرآن مجید کی تصویر کے عین مطابق ہے۔ عورت کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ مغرب میں مرد بھی کام کرتا ہے اور عورت بھی لیکن کام پر جاتے ہوئے عورت بچے کو baby-sitter کے حوالے کر کے، اسے تحریری طور پر ہدایات دے کر جاتی ہے۔ مرد کام کے لیے گھر سے نکل جائے تو وہ بیوی بچوں کو بھول جاتا ہے، کیونکہ یہ اس کی فطرت ہے جبکہ عورت کبھی اپنے بچے کو نہیں بھولتی۔ لہٰذا مرد اور عورت میں ایک فرق ان کی فطرت کے حوالے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کی کمزوری بنایا ہے اور اس دنیا میں مرد کی اصل آزمائش عورت ہی ہے۔ چنانچہ مرد کی حیا یہ ہے کہ وہ صرف اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ رکھے اور out of wedlock اِدھر اُدھر نہ جھانکے جو کہ مرد کی فطرت کا حصہ ہے۔

سوال: آج کل Feminism کی تحریک بڑے زوروں پر ہے اور ہمارے نزدیک یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ آپ بتائیے کہ یہ تحریک کیا ہے؟

پروفیسر غالب عطاء: یہ خواتین کے حقوق کی ایک تحریک ہے جس میں مختلف نظریات رکھنے والے لوگ خواتین کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق کے لیے کام کرتے ہیں۔ چارلس فوریئر فرانسیسی فلاسفر تھا، جس نے پہلی مرتبہ 1837ء میں یہ اصطلاح گھڑی۔ وہ ایک یوٹوپین فلاسفر تھا۔ یوٹوپین فلاسفر کی اصطلاح عموماً کارل مارکس اور اس کے پیروکاروں کے لیے استعمال ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے کیپیٹلزم کا ایک اینٹی تھیسز دیا تھا کہ سرمایہ داریت لوگوں کا استحصال کرتی ہے۔ چارلس فوریئر نے یہ نشاندہی کی کہ سرمایہ دار مرد خاص طور سے خواتین کا استحصال کرتے ہیں۔ اس طرح یہ تحریک شروع ہوئی۔ کسی بھی معاشرے میں Feminism کی ابتدا تین قسم کی لہروں (waves) میں منقسم ہے۔ پہلی لہر برداشت کرنے یا جھیلنے (sufferance) کی ہے۔ خواتین کو اس بات کا پتہ ہی نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ اس کی نشاندہی کے بعد جب معاشرے میں ایک تحریک اُٹھ جاتی ہے اور اس کے لیے کام کرنے کی آواز بلند ہونا شروع ہوجاتی ہے تو اس کو پہلی لہر (first wave) کہتے ہیں۔ Second wave اُس وقت کو کہا جاتا ہے جب خواتین کو ووٹ مانگنے کا حق ملتا ہے۔ اس مرحلے میں کوشش کی جاتی ہے کہ خواتین بااختیار ہوجائیں اور وہ اپنی زندگی کے معاملات میں خود فیصلے کرنا شروع کر دیں۔ دراصل Feminism سیکولر معاشروں سے وجود میں آئی ہے کیونکہ وہاں پر روزمرہ کے معاملات میں دین اور دنیا کی علیحدگی موجود ہے۔ 1950ء سے پہلے جرمنی، امریکہ، برطانیہ میں خواتین اپنے جسم کو لباس سے ڈھانپتی تھیں، یعنی

ان کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا کرتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ میں ایک تحریک اُٹھی کہ ہمیں دنیا پر غالب آنا ہے۔ جرمنی اور برطانیہ کمزور ہو چکے تھے اور ایک قسم کا خلا تھا۔ اس کے لیے امریکہ کو دیگر ممالک میں جانا تھا۔ اس نے وہاں پر لوگوں کے لیے ٹیکس لگائے۔ اس کے نتیجے میں مرد اور عورت کی بقا کا مسئلہ سامنے آیا کہ ایک کمانے والا ہے جبکہ کھانے والے بہت سے لوگ ہیں۔ یہ کہا گیا کہ خواتین کیوں کام نہیں کرتیں۔ جب عورت گھر سے باہر نکلی تو اس وقت Feminism تحریک کا دوسرا دور شروع ہو رہا تھا۔ یہ کہا گیا کہ عورت با اختیار نہیں ہے، اس کو تو گھر میں باندی بنا کر رکھا گیا ہے۔ Empowerment کی اصطلاح مارکسسٹ نظریے کے تحت کیپیٹلزم کی مخالفت میں استعمال ہو رہی تھی۔ جب یہ خواتین گھر سے باہر نکلیں تو وہ بغیر میک اپ کے تھیں۔ پھر ایک نئی اصطلاح Lipstick Feminism وجود میں آئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خواتین چونکہ حسن کا پیکر ہوتی ہیں اور مردوں کی جاذبیت ان کی طرف ہوتی ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ اپنی اس خاصیت کو نمایاں کریں۔ یعنی وہ گھروں سے باہر بھی نکلیں اور عریانیت کا مظاہرہ بھی کریں۔ لہٰذا اس سارے منظر نامے کو باقاعدہ تشکیل دیا گیا ہے۔ جب عریانیت کا دور آیا تو لوگوں نے شور مچایا کہ یہ تو مذاق ہے کہ آپ عورت کو کوئی خریدی اور بیچی جانے والی چیز کے طور پر پیش کریں۔ اس پر خاصی ہنگامہ خیزی رہی، تاوقتیکہ 1990ء کی دہائی میں Feminism shaming پر بحث شروع ہوئی کہ خواتین کا تعلق حیا کے ساتھ کیوں جوڑ دیا گیا ہے! یعنی جب عورت عریاں ہو کر اپنا نسوانی حسن لوگوں کو دکھاتی ہے تو اس کو shame کیوں کہا جاتا ہے، یہ بڑی غلط بات ہے۔

سوال: Feminism تحریک کی بنیادیں، یعنی عورت آزاد نہیں ہے یا اس کو حقوق حاصل نہیں ہیں وغیرہ، غلط تو نہیں تھیں؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: میں اس معاملے میں مغرب سے بہت زیادہ سوء ظن رکھتا ہوں۔ میری دانست میں مغرب کی ساری کی ساری سیکولر موومنٹ مذہب مخالف اور اسلام مخالف ہے۔

پروفیسر غالب عطاء: ایک دفعہ ہم لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے تحت ایک طائفے کی صورت میں بھارت گئے۔ بھارتی فلموں میں جو گلیمر نظر آتا ہے اس کو دیکھ کر ہمارا یہ احساس تھا کہ شاید بھارت میں عام عورت بھی اسی طرح نظر آئے گی۔ لیکن وہاں ایسا نہیں تھا۔ جب ہم واپس آئے تو بھارت سے ایک وفد آیا اور اس میں کچھ لوگوں نے کہا کہ جب ہم پاکستان آئے تو ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ یہاں سارے مرد لمبی داڑھیوں والے ہوں گے اور ان کی شلواریں ٹخنوں سے اُوپر ہوں گی جبکہ خواتین برقع میں ملبوس ہوں گی لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے۔ دراصل چیزوں کو depict اور portray کرنے میں میڈیا کا ایک کردار ہے جو اسے باقاعدہ assign کیا جاتا ہے۔ جب آپ فواحش کا ذکر کریں گے، اسے کورٹ کے اندر لے کر جائیں گے اور اگر ہمیں فواحش کی تعریف کے لیے سعادت حسن منٹو کا سہارا لینا پڑے تو ہماری عقل پر تف ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے راہنمائی قرآن وسنت سے لینی ہے یا وہاں سے؟ یہیں سے پھر relativity کا نظریہ آتا ہے۔

سوال: میرا سوال یہی تھا کہ آپ فحاشی کی تعریف کریں۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: اللہ تعالیٰ کی راہنمائی تو بہت واضح ہے کہ عورت کو اپنے گھر کے اندر بھی پورا جسم ڈھانپنے کا حکم دیا گیا، یہاں تک کہ محرم رشتہ داروں کے سامنے بھی عورت اپنے سینے کے اُوپر دوپٹہ ڈالے۔ گھر میں عورت کا پردہ ستر کہلاتا ہے کہ وہ اپنے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورے جسم کو ڈھانپ کر رکھے گی۔ جب وہ گھر سے باہر جائے تو اُوپر ایک اور چادر بھی اوڑھے، جسے قرآن مجید میں جلباب کہا گیا۔ ایسی چادر اوپر سے اس طرح لٹکا لے کہ اس کا چہرہ اس حد تک چھپ جائے کہ اس کی آنکھیں کسی مرد کے ساتھ چار نہ ہوں۔ مرد کو حکم ہے کہ اگر اس کی نظر کسی عورت کے کھلے حصے پر پڑے تو وہ وہاں سے اپنی نظر ہٹائے جبکہ عورت کو حکم ہے کہ وہ اپنے کسی حصے کو بے پردہ ہونے ہی نہ دے۔ ان دونوں احکام کو ملائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلے تو عورت خود کو expose ہونے ہی نہیں دے گی لیکن اگر کسی وجہ سے اتفاقاً یا حادثاتی طور پر ظاہر ہو ہی جائے اور مرد کی نظر پڑ جائے تو مرد وہاں سے فوراً نظر ہٹا لے۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ مغرب میں جب ایک عورت نیم برہنہ لباس میں باہر نکلتی ہے تو لوگ نہ صرف اس کی طرف دیکھتے ہیں بلکہ آوازیں بھی کستے ہیں جبکہ اگر کوئی عورت پورے لباس میں جا رہی ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

پروفیسر غالب عطاء: 2011ء کی Slit Walking کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے پھیر دیا جائے کہ وہ نیک پہچانی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ ان کا موقف تھا کہ یہ مفروضہ غلط ہے کہ کسی عورت کا ریپ اس کے revealing لباس کے سبب ہوتا ہے، یعنی اگر وہ ویسا لباس نہ پہنتی تو شاید ریپ نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر عورت کے حوالے سے جو سرشت رکھی ہوئی ہے وہ اس کو بالکل اُلٹ پھیر کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ جن ممالک میں Feminism کی تحریکیں چلی ہیں وہاں پر ریپ کے واقعات میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

سوال: آج کل ہمارے معاشرے میں عورت کا لباس اگرچہ پردے والا ہے لیکن وہ تنگ (tight) ہوتا ہے۔ کیا یہ بے حیائی میں شامل نہیں ہے؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: اگر ہم اس چیز کو انسانوں پر چھوڑ دیں گے تو پھر کبھی بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ فیصلہ کن بات صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔ بنیادی معاملہ اللہ کی بندگی کا ہے۔ جب ہم یہ فیصلہ کرلیں گے کہ ہم اللہ کے بندے اور غلام ہیں اور آزاد نہیں ہیں تو پھر ہمارے لیے آگے چلنا آسان ہو جائے گا۔ ہمارا مالک جہاں تک ہمیں آزادی دیتا ہے وہ ہماری آزادی ہے، اور جہاں ہمیں روکتا ہے وہ ہماری حد ہے۔ ہمارے دین میں عورت کے لیے جو حدود و قیود مقرر کی گئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی ماننے والیوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ جب تک کوئی مرد دو گواہوں کی موجودگی میں تمہاری روٹی، کپڑا، مکان، عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ نہ لے لے اور تمہیں اپنی وراثت تک میں شریک نہ کر لے اس وقت تک اسے کوئی لذت فراہم نہ کرو۔ مرد اپنی فطرت کے تحت چاہتا ہے کہ وہ عورت سے ادب، احترام، لحاظ کی سطح پر جہاں بھی موقع ملے، لطف اُٹھائے۔ اس مقصد کے لیے وہ عورت کے لباس کی تعریف کرتا ہے، یا پھول پیش کرتا ہے، یا لنچ یا ڈنر کی دعوت دیتا ہے۔ ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ عورت کو خبردار کرتے ہیں کہ مرد سے ہوشیار رہنا، یہ تمہیں استعمال کرے گا، تھوڑا سا صبر کر لو جب تک یہ تمہیں اپنی بیوی نہ بنا لے۔ بیوی بنانے کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری روٹی، کپڑا، مکان، عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لے اور اپنی وراثت میں شریک کرے۔ یہ ہے اسلام کا احسان عورت پر! لیکن یہ عورت کی کم عقلی اور جذباتیت ہے کہ وہ اپنے محسن کو اپنا دشمن

سمجھ بیٹھی ہے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست بنا بیٹھی ہے۔

آصف حمید: خواتین نے چست اور باریک (see-through) لباس پہننا ہوتا ہے۔ ایسا لباس چاہے جسم کو پوری طرح ہی کیوں نہ ڈھانپ لے لیکن وہ بھی اسی زمرے میں آئے گا۔ تنگ لباس پہننے والی عورتوں کے بارے میں حدیث میں عاریات قاسیات کے الفاظ آئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسی خواتین جو تنگ لباس پہنتی ہیں وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت خواتین کا لباس بہت چست ہو گیا ہے۔ ان خواتین کے بارے میں میرا حسن ظن ہے کہ شاید انہیں حضور ﷺ کی اس حدیث کا پتا نہیں ہے، ورنہ وہ ایسا تنگ لباس نہ پہنیں کہ ان پر جنت حرام ہو جائے گی۔

ڈاکٹر عبدالسمیع: دین کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی کہ وہ کوئی ایسا کام کرے، کوئی ایسا لباس پہنے، کوئی ایسی حرکت کرے جس کے ذریعے وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد کے لیے کشش کا باعث بنے۔ برقع جسم کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے لیکن اب خواتین برقع پر ڈیزائن بنا کے اسے اوڑھتی ہیں۔ اس طرح کا برقع بھی مردوں کے لیے کشش کا باعث بنتا ہے۔ ایسے برقع کی بھلا کیا ضرورت ہے، یہ تو گویا پردے کی روح کو مار دینے کے مترادف ہے۔ پہلے خواتین کے لباس میں صرف آگے ڈیزائن بنے ہوتے تھے لیکن اب پیچھے بھی ڈیزائن بننے شروع ہو گئے ہیں، یعنی مرد کی نظر ہر صورت میں عورت پر اٹھے ہی اٹھے۔

سوال: اگر خواتین اس سطح پر بھی آ جائیں جو دین نے بارڈر لائن دے دی ہے تو معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی؟

پروفیسر غالب عطاء: یعنی جو بڑے بڑے احکامات ہیں ان کی پیروی کرنا!

ڈاکٹر عبدالسمیع: اللہ تعالیٰ نے باقی تمام معاملات میں کبائر سے منع کیا ہے لیکن فواحش کی ہر قسم سے منع کیا ہے۔ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ بلکہ فواحش کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ ایک ہے حرام حکم تو اسی پر ہی لگے گا۔ دوسرا ہے قریب بھی نہ جانا۔ میں اس کے لیے اپنی مثال دیتا ہوں۔ میں ایک بوائز سکول سے پڑھ کر co-education میں گیا تھا۔ شروع شروع میں اپنی کلاس فیلوز سے بات کرتے ہوئے بھی بڑا حجاب محسوس ہوتا تھا، لیکن بعد میں وہ ساری ہچکچاہٹ ختم ہو گئی۔ ہوتا یہ ہے کہ پہلے کوئی بھی بات کرتے ہوئے حجاب آتا ہے، اس کے بعد صرف ضرورت کی بات ہوتی ہے، پھر گپ شپ ہوتی ہے، اس کے بعد ہنسی مذاق شروع ہو جاتا ہے اور پھر ہاتھ پر ہاتھ بھی مارا جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے درمیان میں کھینچی لکیر کو انسان پار کر جاتا ہے۔ اسے پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کر رہا ہے یا اس سے کیا ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے فواحش کے پاس جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حدیث میں بڑی پیاری مثال دی گئی ہے کہ اگر کوئی چرواہا اپنی بھیڑوں کو بادشاہ کی چراگاہ کے قریب لے کر جائے گا تو اس بات کا امکان ہے کہ اس کی کوئی بھیڑ ممنوعہ علاقے میں چلی جائے گی اور پھر اس کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑے گا۔

پروفیسر غالب عطاء: یہ محض فواحش کے بارے میں ایک حکم کا معاملہ تھوڑا ہی ہے، معاشرے کے اوپر تو بہت سارے دوسرے احکامات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ تب ہی کیا جاتا ہے جب قوانین بھی وہی والے ہوں۔ اگر ان حدود کو توڑنے پر کسی کو اسلام کی شرعی سزائیں مل رہی ہوں تو پھر ہی ان حدود کا تحفظ ممکن ہو سکے گا۔

سوال: پردے کی ایک قسم آواز کا پردہ بھی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر عبدالسمیع: میں اس کی سادہ سی مثال دیا کرتا ہوں۔ آپ نے کسی کو فون کیا۔ آگے سے سخت لہجے میں آواز آئی: ہیلو۔ آپ پوچھیں گے: فلاں ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ فوراً فون بند کر دیں گے۔ اسی طرح آپ نے فون کیا۔ آگے سے نرم لہجے میں آواز آئی: ہیلو۔ آپ نے پوچھا: فلاں ہے؟ جواب آیا: نہیں ہے۔ پوچھا گیا: کہاں گیا ہے؟ بتایا گیا: بتا کے نہیں گیا۔ سوال ہوا: کب آئے گا؟ اس نے کہا: بتا کے نہیں گیا تو کیا پتہ کب آئے گا۔ یعنی یہی بات آپ گھما پھرا کر دو تین منٹ میں مکمل کریں گے۔ یہ فرق ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آواز کو کرخت کرنے کا حکم ازواج مطہرات ؓ کو دیا گیا۔ جو پوری امت مسلمہ کے لیے ماں کی حیثیت رکھتی ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی ان سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، انہیں حکم ہے کہ تم اپنے لہجے میں سختی اختیار کرو تا کہ جس کے دل میں کوئی روگ ہے وہ آپ کے اندر کوئی اکساہٹ (temptation) محسوس نہ کرے۔ صرف حلال و حرام والے احکام سے بات نہیں بنے گی۔ جب تک ﴿لَا تَقْرَبُوْا﴾ پر عمل نہیں ہو گا اس وقت تک بات نہیں بنے گی۔ لوچ دار آواز میں بات کرنا بھی بے حیائی میں آئے گا۔ انسان کو پتہ ہے کہ جو قدم میں اٹھا رہا ہوں یہ بے حیائی کی طرف لے جا رہا ہے یا نہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا رعایت برتتے، یہ اس کی مہربانی ہے۔ سورۃ النجم میں کبائر اور فواحش کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ ﴿اِلَّا اللَّمَمَ﴾ یعنی غیر ارادی طور پر انسان سے جو کچھ بھی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔

پروفیسر غالب عطاء: ایک طرف یہ بات ہے اور دوسری طرف پاکستان میں کلاس 6 کی سوشل سٹڈیز کی نصابی کتابوں میں یہ باب شامل کر دیا گیا ہے: Tips for the first date for boys and tips for the frist date for girls. اس کے ساتھ این جی اوز کی ایک مہم بھی چل رہی ہے اور Sexual and Reproductive System کے عنوان سے ایک خاص نصاب طے کیا گیا ہے۔ اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ہارمونز اور contraceptives کی ساری تفصیلات بتائی جا رہی ہیں۔ وہ باقاعدہ ایک دستاویز ہے، جسے اقوام متحدہ کی تحریک کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اقوام متحدہ نے اس کو امریکہ سے لیا ہے، کیونکہ وہاں پر ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس کو وہاں حصہ نہیں بننے دیا بلکہ اقوام متحدہ کے ذریعے یہاں نافذ کیا ہے۔

آصف حمید: اصل بات یہ ہے کہ ہم مغرب کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو سامنے رکھیں۔ ہماری خواتین ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ وہ حضرت فاطمہ ؓ کی بیٹیاں ہیں، نبی ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے نوجوان اس بات کا خیال رکھیں کہ ہم کس نبی ﷺ کے پیروکار ہیں اور ہمارے کسی بھی عمل سے دینی حوالے سے معاشرے پر کیا اثر پڑے گا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان:74) ''اور وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا!''

(قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے دیکھی جا سکتی ہے۔)

☆☆☆☆

Women's Mosque?
Women's Empowerment?

By Khalid Baig

The Women's Mosque of America has started operations in Los Angeles. It is not a mosque per se, but the name of a non-profit organization. It began with holding female only Jumuah prayers, in an old synagogue with Stars of David etched on the stained glass windows. The decision to use this venue was made to "promote peace."

Creating a separate space for Muslim women is a noble idea. Unfortunately the organizers chose the one event for this project for which it has no basis in the Shariah. Muslim women are not required to offer Jumuah. They are allowed but not required. (They can offer the Dhuhr prayer instead.) Further by consensus of scholars of all schools, Muslim women are not allowed to lead Jumuah prayers or deliver Jumuah Khutbahs. Not surprisingly the project met with disapproval from the great majority of local Muslim scholars who objected exactly on this ground. The women who prayed there were advised to still offer their Dhuhr prayer as the prayer obligation remained undischarged.

But there is a larger issue that has not been discussed. One wonders what the officers of this corporation would think of establishing a women only school or women only college. Obviously if women need access to Islamic education in an exclusive space, then would not a daily regular school be far superior to a twenty minute sermon delivered once a month? Alas their future programs make no mention of such a plan. On the contrary other programs will be coed.

It is also interesting to see the media reaction. This was a media event and all the big names were there. And they were excited. From the Los Angeles Times to the Wall Street Journal, from ABC news to Fox News, everyone praised this as a historic event. It was considered a key development in empowerment of Muslim women. "Maybe we could get a female Luther out of this," Los Angeles Times reported an excited congregant as saying.

The question that we must ask is what the media reaction would be if the organizers had opened a women's only college instead. Would that be considered a historic event that would open the doors to scholarship for Muslim women? Would that be praised by the same media as a space "where Muslim women can 'bring their whole self,' learn more about their faith and foster bonds of sisterhood?"

It is more likely that this would be ridiculed as a step backwards, as another sign of oppression of Muslim women.

Why? Why the same act is praiseworthy in one case and blameworthy in the other? The answer may be that it is flouting the traditions and well established Islamic teachings in one case and complying with them in the other. The first act is therefore considered empowering and the other enslaving. The hypocrisy has a rationale!

It may be therefore empowering to deconstruct the notion of "women's empowerment" itself.

The sad fact is that we are caught up in the discourse of empowerment. Everyone these days is for "women's empowerment." And it is taboo to question this dogma. But let us ask, where does this word come from? Does it come from the Islamic discourse or its textual sources? The Qur'an does not talk about "women's empowerment." Neither does Hadith. Neither does the Islamic literature

produced by authorities and scholars of varied persuasions over the centuries. If in doubt please tell me what the Arabic term for “empowerment” is and where do you find it in the Islamic textual sources?

Let us face it: It is a foreign term. And like other foreign terms it has to be examined carefully before we start using it and submit to its dictates.

The term as used today comes from the feminist discourse. And it brings with it the entire feminist agenda. Simply stated, the ideology of women's empowerment means establishing an absolute-no-holds-barred-equality between men and women. Dozens of international organizations are devoted to promoting “women's empowerment” and use the term interchangeably with “gender equality” and “gender mainstreaming.” At a more basic level it means fighting for your rights. As American feminist Gloria Steinem said, “Power can be taken, but not given. The process of the taking is empowerment in itself.”

The language of empowerment is diametrically opposed any and every authentic tradition of Islam, historical and ideological alike. It makes everyone focus on their rights, not their responsibilities. The battle cry is, watch out for yourself for no one else will. This then becomes a self-fulfilling prophecy. With no one being primarily concerned with discharging their responsibilities, securing your rights becomes a lifelong struggle. You will only get those rights for which you fight. Hence the perpetual campaign for women's empowerment.

What has that led to? The exact opposite of what it aimed at. The empowerment rhetoric did not end exploitation of women; it actually has opened exciting new avenues for it. As Dr. Brooke Magnanti wrote in the Telegraph, “Too often the word is used as a smokescreen for increasing consumerism, a cousin of L'Oreal's 'because you're worth it' whereby you can presumably empower yourself by buying shoes and pretty little journals, which is somehow worthier than simply buying things because you need or like these things. Or worse still, by landing some 9-to-5 corporate grinding job.”

But it has done much more. It has destroyed the home and family beyond recognition. Even more, it has drastically changed men and women. Here are the words of Father John McCloskey, a Catholic priest lamenting the disaster that this world has faced.

There is something radically wrong with the family and the relationship between the sexes in the West as we rapidly approach the third millennium of the Christian era... Indeed it would be hard to find similar situations in history, unless it be the pre-Christian paganism of the Roman Empire (cf. St. Paul's Letter to the Romans I: II-20) or the behavior of the barbarian hordes of central Asia as they poured into a weak and decadent empire... Today, in societies that are nominally Christian, we witness the phenomenon of women who do not act like women, nor men like men, nor families like families. Codes of moral behavior that have made the family the central unit of society and have been the "guardrails" of civilization for centuries have been discarded as antiquated."

If we blindly keep following the talk of women's empowerment, we will also be headed to this lizard's hole and keep welcoming borrowed language and borrowed ideologies.

Courtesy: Al-Balagh

د د د

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی، 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org